237/A

LABEL

356/

L

سلسلہ ندوۃ المصنفین دہلی

۵

تاریخ ملّت

حصّہ اوّل

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں متوسط استعداد کے بچّوں کے لئے سیرتِ سرورِ کائنات صلعم
کے تمام اہم واقعات کو اختصار، تحقیق اور جامعیت کے ساتھ
نہایت سلیس اور شگفتہ زبان میں بیان کیا گیا ہے

تالیف

قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی

مینیجر ندوۃ المصنفین کے اہتمام سے

(الجمعیۃ پریس دہلی میں طبع ہوئی)

طبع سوم ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء

قیمت ۸؍ مجلد ۱۲عہ؍

مطبوعہ الجمعیت پریس دہلی

فہرست مضامین نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)

دیباچہ

طبع اوّل

اسلام کا ماضی اس قدر شاندار ہے کہ دنیا کی کوئی ملّت اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ تاریخ اسلام کے ایک ایک باب میں حق پرستی، جاں سپاری، صداقت شعاری، عدل گستری، معارف پروری کی ہزاروں داستانیں پنہاں ہیں۔ مسلمان بچّوں کو اگر بچپن ہی سے اپنے اسلاف کے ان زرّیں کارناموں سے واقف کر دیا جائے تو وہ اپنے لئے اور ملک و ملّت کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

بنابریں محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی نے یہ خدمت میرے سپرد کی کہ میں ہندوستان کے مسلمان بچّوں کے لئے تاریخ اسلام کا ایک مختصر نصاب مرتب کروں۔

ہر چند کہ میں اپنی ناقابلیت اور مصروفیت کے سبب اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے موزوں نہ تھا مگر تعمیل حکم اور تحصیل سعادت کے شوق میں اس بار گراں کو قبول کر لیا۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا حصّہ "نبی عربی" جو سید المرسلین رحمۃ للعٰلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ پر مشتمل ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس حصّہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سیرۃ طیبہ سے متعلق تمام اہم واقعات اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر ربط

وتسلسل کا دامن بھی کسی صورت ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

(۳) جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے، وہاں واقعات کے اسباب و علل سے بھی سہل انداز میں بحث کی گئی ہے۔

(۴) زبان آسان و سلیس لکھی گئی ہے اور بیان میں سادگی و شگفتگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) تمام مضامین، عربی کی بعض قدیم اور بیشتر جدید، سیرۃ کی معتبر و مستند کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ سیرۃ کی جدید کتابوں میں سے یہ چار کتابیں تو اس تالیف کے لئے اساطین اربعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین (للشیخ محمد الخضری بک) دروس التاریخ اسلامی (لمحی الدین الخیاط) محمد رسول اللہ (لمحمد رضا) حیاۃ سید العرب (لحسین عبد اللہ باسلامہ)

جہاں کہیں ضرورت سمجھی گئی ہے ماخذ کے حوالے بھی دیدئے گئے ہیں۔

امید ہے کہ یہ حصہ، مسلمان بچوں کے علاوہ ان بڑوں کے لئے بھی جو قلیل وقت میں سیرۃ طیبہ کی کثیر برکات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، مفید ثابت ہوگا۔

قاضی منزل، میرٹھ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ
یوم جمعۃ المبارک

زین العابدین
کان اللہ لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ الذین اصطفیٰ

مقدمہ

علم تاریخ :-

تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے اس سے ہم کو دنیا کی تمام نئی اور پرانی قوموں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور ہم ان کی ترقی اور تنزل کے اسباب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ ہم جان جاتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم عزت کے آسمان کا ستارہ بن کر چمکی اور دوسری قوم ذلّت کے میدان کی گرد بن کر منتشر ہو گئی۔

اس طرح ہمارا تجربہ بڑھتا ہے، ہماری معلومات میں زیادتی ہوتی ہے اور ہم اپنی قوم کی زندگی کو بہتر اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

تاریخ کی ابتداء:۔

انسان کی عادت ہے کہ جب اس کی زندگی میں کوئی بڑا اور خاص واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے بلکہ روزمرہ پیش آنے والے دوسرے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی اس سے نسبت دے کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانہ میں جو طوفان آیا وہ ایک واقعہ تھا۔ اب لوگوں نے اس واقعہ کی طرف نسبت دے کر کہنا شروع کیا کہ فلاں شخص طوفان نوح سے سو برس پہلے پیدا ہوا تھا یا فلاں لڑائی طوفانِ نوح سے پانسو برس بعد ہوئی تھی۔

بس اس طرح چھوٹے واقعات کو بڑے واقعات کی طرف نسبت دینے سے تاریخ کی بنیاد پڑ گئی اور آہستہ آہستہ بڑے ملکوں اور قوموں کی تاریخ تیار ہو گئی۔

تاریخ کے بنیادی پتھر:۔

یوں تو دنیا میں بہت سے بڑے بڑے واقعات پیش آئے جن کی طرف نسبت دیکر دنیا کی قوموں نے اپنے حالات کو محفوظ رکھا۔ مگر یہ تین واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن پر تاریخ کی بنیادیں اٹھیں۔

دنیا کی ابتدا۔ ولادت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ہجرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

معتبر تاریخ :۔

دنیا میں انسانی زندگی کی پوری تاریخ، باوجود لگاتار اور انتھک کوششوں کے اب تک نہیں معلوم ہو سکی۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ اس کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور اس تھوڑے سے حصہ میں سے بھی، تحریری صورت میں تقریباً تین ہزار سال کے واقعات ملتے ہیں۔

تاریخ کی قسمیں :۔

انسانی تاریخ کی دو قسمیں ہیں، تاریخ عام اور تاریخ خاص۔ تاریخ عام میں تمام دنیا کے انسانوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں اور تاریخ خاص میں کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ یا کسی خاص سلطنت کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخ اسلام :۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں مذہب اسلام کی ابتدا انسان کی پیدائش کے ساتھ ہوئی۔ دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے اُن سب نے اپنی اُمت کو اسلام ہی کا پیغام سُنایا۔ یہ ضرور ہے کہ خدا کا یہ پیغام دنیا کے ابتدائی زمانہ میں اس وقت کی ضرورتوں ہی کے مطابق تھا۔ جب دنیا نے ترقی کی منزل میں قدم رکھا اور اُس کی

ضرورتوں میں اضافہ ہوا تو خدا کے آخری نبی محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام کو مکمّل صورت میں لے کر آئے۔ عام طور پر خدا کے اس مکمّل پیغام ہی کو اسلام کہا جاتا ہے۔

اس لیے "تاریخ اسلام" سے اس گروہ کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس نے خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا کے مکمّل پیغام اسلام کو قبول کیا اور آج دنیا کے ہر حصّہ میں تقریباً ستّر کروڑ کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔

تاریخ اسلام کی خصوصیت :-

دنیا کی اکثر قوموں کی تاریخ، کہانیوں اور قصّوں کی صورت میں ملتی ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ میں یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے شروع ہی سے اپنی تاریخ کو مستند طور پر لکھا ہے اور ہر بات کا حوالہ دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں "تاریخ اسلام" خاص امتیاز رکھتی ہے۔

دنیا کی ابتدا :-

دنیا کی ابتدا کے متعلق تاریخ کے عالموں میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش سے صرف چار ہزار سال پہلے انسان پیدا ہوئے بعض کا بیان ہے کہ چھ ہزار سال پہلے اور بعض کا خیال

ہے کہ لاکھوں سال پہلے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ دنیا کی اس سب سے پرانی بات کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ سب مانتے ہیں کہ دنیا کی سب سے پرانی قومیں چینی، ہندوستانی اور مصری ہیں اور یہ دنیا میں آج سے چھ ہزار یا دس ہزار سال پہلے سے پائی جاتی ہیں[1]۔

انسان نے کس طرح ترقی کی :۔

دنیا کے ابتدائی زمانہ میں انسان بالکل انجان تھا۔ پہلے اُس نے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان کیا، پھر کنبے اور خاندان بنائے پھر شہر بسائے اور سلطنتیں قائم کیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان موجودہ تہذیب کی بلند منزل پر پہنچ گیا۔

زبان :۔

جب انسان اکٹھے زندگی بسر کرنے لگے تو انھیں اپنی کہنے اور دوسرے کی سننے کے لئے بول چال کی ضرورت پڑی چنانچہ انھوں نے اس مطلب کے لئے کچھ الفاظ مقرر کر لئے۔ یہی زبان کی ابتدا ہے۔ جب تک انسان دنیا میں ایک جگہ رہے زبان بھی ایک رہی، لیکن جب آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مختلف قوموں اور گروہوں میں بٹ گئے تو اُن کی زبانیں بھی مختلف ہو گئیں

---

[1] دروس التاریخ ۱۲

عرب

علمائے تاریخ نے نسلِ انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) جنس ابیض۔

یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی، پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔

(۲) جنس اصفر

یہ وہ قوم ہے جو ملک چین میں پیدا ہوئی، پھر وہاں سے نکل کر شمالی ایشیا اور جزائر ملاکا تک پہنچی۔

(۳) جنس اسود۔

یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

نسلِ انسانی کی ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب اس درمیانی جنس سے ہیں جو جنس ابیض اور جنس اسود کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی اور جسے "جنس اسمر" بھی کہا جاتا ہے۔[1]

---

[1] دروس التاریخ ۔ ۱۲ ۔

ملکِ عرب :-

عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو بحرِ احمر، بحرِ ہند، خلیج عمان اور دریائے فرات سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ معلوم ہوتا ہے لیکن خود ملک کے اندرونی حصہ میں پانی کی بڑی کمی ہے اور خشک پہاڑوں اور پہاڑیوں کی کثرت ہے۔

طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصے ہیں۔

تہامہ :- یہ وہ حصہ ہے جو بحرِ قلزم کے کنارے سے جبل سراۃ تک پھیلا ہوا ہے۔

حجاز :- یہ جبل سراۃ کا کوہستانی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک پھیلا ہوا ہے۔

نجد :- یہ اس کوہستان کا مشرقی حصہ ہے جو یمن سے سماوہ۔ عروض اور عراق تک پھیلا ہوا ہے۔

یمن :- یہ وہ ٹکڑا ہے جو نجد کے جنوب سے بحرِ ہند کے ساحل تک، اور مشرق میں حضر موت، شحر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض :- یہ وہ قطعہ ہے جس میں یمامہ، بحرین وغیرہ شامل ہیں۔

آب و ہوا:۔

ملک عرب کے اکثر حصوں کی آب و ہوا گرم و خشک ہے۔ یہاں کے بلند حصوں میں گرمیوں کے زمانہ میں رات معتدل ہوتی ہے اور جاڑوں میں پانی جم جاتا ہے۔ مشرقی ہوا یہاں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے جسے صبا کہتے ہیں۔ یہاں کے بہت سے شاعروں نے صبا کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ باد سموم اس کے بالکل برعکس ہے یہ جھلسا دینے والی گرم ہوا ہوتی ہے۔ یہاں کا سب سے اچھا موسم موسم ربیع ہے۔ یہ موسم بارشوں کے بعد آتا ہے۔ اس موسم میں گھاس اُگ آتی ہے۔ جس سے خشک زمینیں لہلہا اُٹھتی ہیں اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام ہو جاتا ہے۔

عرب اسلام سے پہلے

تمدنی حالت

خشک ملکوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کسی ایک مقام پر مکان بنا کر نہیں رہتے۔ بلکہ اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملک عرب کے لوگ بھی اپنے اور اپنے مویشیوں کے لئے گھاس اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ اُن کی بسر اوقات زیادہ تر اونٹوں اور بکریوں کی پرورش پر تھی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی گزر بسر صرف جانوروں کی پرورش پر ہو اُسے خوشحالی میسّر نہیں ہو سکتی اور جب خوشحالی نہ ہو تو امن و امان کہاں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے اس کے مویشی چھین لیتا تھا اور یوں لڑائی جھگڑوں کا ایک مستقل سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ہاں کچھ لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ سوداگری کا سامان لے کر یمن اور شام جایا کرتے تھے مگر راستوں کی خرابی اور بدامنی کی وجہ سے ان کی تجارت ترقی نہ کر سکی۔

مذہبی حالت :-

نبی عربیؐ کی پیدائش سے پہلے عرب والوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیرو تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ انھیں حضرت ابراہیمؑ کے دین سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اکثر قبیلے بڑے پکے بُت پرست تھے۔ خدا کے پاک گھر کعبہ میں، جسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خدا کی عبادت کے لئے نئے سرے سے بنایا تھا، ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے۔

سیاسی حالت :-

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا سردار الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے مگر اپنے قبیلہ میں انھیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبیؐ کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سرداران کے دادا عبدالمطلب تھے۔ اس کے علاوہ روم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں۔ مگر اُن کے رئیس روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے

اخلاقی حالت :-

عرب والوں کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔ جوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا بھی دستور تھا۔

ہاں بعض باتیں اُن میں اچھی بھی تھیں۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی اور بات کے پکے ہوتے تھے۔ مہمان نوازی اور بخشش کا بھی اُن میں رواج تھا۔

عرب کے خاندان :-

علمائے تاریخ نے عرب کے رہنے والوں کو جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

عرب بائدہ۔ عرب عاربہ۔ عرب مستعربہ۔

(۱) عرب بائدہ۔ یہ عرب کے وہ پرانے باشندے ہیں جن کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ ان میں عاد۔ ثمود۔ جدیس، طسم، عملاق، اُمیم جرہم اور جاسم شامل ہیں۔ اُن میں سے اکثر خدا کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔

(۲) عرب عاربہ۔ یہ یمن اور اُس کے قرب و جوار کے باشندے

ہیں اور بنو قحطان کہلاتے ہیں۔ بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں۔
بنو یعرب میں سے عبد شمس جو سبا کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبیلوں کا جد امجد (بڑا دادا) ہے اسی نے یمن کا مشہور شہر "مارب" بسایا تھا اور وہاں تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔ اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔
یہ بند کچھ مدت بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آگیا تھا۔ اس سیلاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور عرب کی کہانیوں اور شعروں میں بھی جابجا موجود ہے۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے اکثر خاندان دوسرے مقامات پر جا بسے تھے۔
(۳) عرب مستعربہ۔ یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد میں ہیں۔ ان میں بہت سے قبیلے ہیں جن میں "ربیعہ" اور "مُضَر" مشہور ہیں "مضر" ہی کی ایک شاخ "قریش" بھی ہے جس سے نبی عربی صلعم کا تعلق ہے۔ عرب مستعربہ کو "بنو عدنان" بھی کہتے ہیں[۵]۔

---

[۵] دروس التاریخ۔

قریش :۔

عرب کے تمام قبیلوں میں خاندان قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا کعبہ جو تمام عرب کا دینی مرکز تھا، اس کے متولی یہی قریش تھے اور مکہ معظمہ کی ریاست بھی انہی سے متعلق تھی۔ قبیلہ قریش کی بڑی شاخیں یہ تھیں۔

ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم۔

مکہ معظمہ کے تمام ذمہ داری کے عہدے انہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے ان عہدوں اور ان کے متعلقین کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سدانہ:۔ یعنی کعبہ کی حفاظت اور اس کی خدمت۔ محافظ کعبہ ہی کے پاس کنجی رہتی تھی۔ اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان میں تھا اور نبی عربی کی پیدائش کے زمانہ میں آپ کے دادا عبدالمطلب اس عہدہ پر مقرر تھے۔

(۲) سقایہ یعنی پانی کا انتظام۔ مکہ معظمہ میں پانی کی قلت اور موسم حج میں ہزارہا زائرین کے جمع ہو جانے کی وجہ سے پانی کا خاص انتظام کیا جاتا تھا اس کی صورت یہ تھی کہ چمڑے کے حوض بنوا کر انھیں صحن کعبہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور آس پاس کے پانی کے چشموں سے پانی منگوا کر انھیں بھر دیا جاتا تھا۔ جب تک چاہ زمزم دوبارہ صاف نہ ہو گیا یہ دستور جاری رہا۔ سقایہ کی خدمت بنی ہاشم سے متعلق تھی۔

(۳) رفادہ زائرین کعبہ کی مہمانداری کے لئے قریش کے تمام خاندان

ایک قسم کا چندہ ادا کرتے تھے۔ اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل سے متعلق تھی، پھر بنی ہاشم کے حصہ میں آئی۔

(۴) عقاب۔ یہ قریش کے قومی جھنڈے کا نام تھا جب لڑائی کا زمانہ ہوتا تھا تو اسے نکالا جاتا تھا۔ اگر اتفاق رائے سے کوئی معزز شخص جھنڈا اٹھانے کے لئے تجویز ہو گیا تب تو اسے دیدیا جاتا تھا، ورنہ جھنڈے کا محافظ جو بنی امیہ کے خاندان سے ہوتا تھا یہ خدمت انجام دیتا تھا۔

(۵) ندوہ۔ یہ مکہ کی قومی اسمبلی تھی۔ قریش مشورہ کرنے کے لئے یہیں جمع ہوتے تھے۔ یہیں جنگ و صلح اور دوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ "ندوہ" کا انتظام بنی عبدالدار سے متعلق تھا۔

(۶) قیادہ۔ یعنی قافلہ کی رہنمائی، جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا وہ تجارت اور لڑائی کے سفروں میں قافلہ کی رہنمائی کرتا تھا۔ یہ منصب بنی امیہ کے پاس تھا اور ابتدائے اسلام میں حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیان اس منصب پر مقرر تھے۔

(۷) مشورہ۔ جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا اس سے خاص معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ قریش کسی معاملہ کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مشیر کی رائے حاصل کر لیتے تھے۔ یہ منصب "بنی اسد" سے متعلق تھا۔

(۸) قبہ۔ جب مکہ والے لڑائی کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایک

خیمہ نصب کیا جاتا۔ اس خیمہ میں لڑائی کا سامان جمع کر دیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری بھی قریش کے کسی خاندان سے متعلق ہوتی تھی۔

(۹) حکومتہ۔ یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

(۱۰) سفارہ۔ یعنی ایلچی گری، جب کسی دشمن قبیلہ سے صلح کی بات چیت ہوتی تو کسی سمجھ دار آدمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا۔ ابتدائے اسلام میں قریش کے آخری سفیر حضرت عمر بن خطابؓ تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ "قریش" عرب کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدے ان ہی سے متعلق تھے۔[۱]

عرب کے میلے:۔

عرب میں میلوں کا بھی دستور تھا، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ ان میلوں میں تمام عرب کے لوگ جمع ہوتے تھے اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی۔

ان میلوں میں سب سے بڑا میلہ "عکاظ" کا تھا جو مضافات مکہ میں طائف کے قریب لگتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلوں کے خیموں سے میدان پٹ جاتا تھا اور بیس دن تک خرید و فروخت مشاعروں اور جلسوں کی ہماہمی رہتی تھی۔ بڑے بڑے چوٹی کے شاعر یہاں آ کر اپنا اپنا کمال دکھاتے

---

[۱] دروس التاریخ ۱۲

تھے اور اپنی محنت کی داد پاتے تھے۔ اس میلہ میں چونکہ تمام عرب کے قبیلے جمع ہوتے تھے اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی ہوتا تھا۔

واقعۂ فیل

اسلام سے پہلے کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان یمن کا رئیس ایک شخص ابرہہ نامی تھا۔ ابرہہ عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا۔ اور حبش کی عیسائی سلطنت کے ماتحت تھا۔ ابرہہ کو عیسائی مذہب کی اشاعت کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے دار السلطنت "صنعاء" میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کرایا اور عرب والوں کو ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کریں۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح عرب کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔

عرب کے اکثر قبیلوں نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ جل گیا اور اس نے سوچا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے قصّہ ہی پاک کر دے۔ چنانچہ وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ جس میں تیرہ ہاتھی بھی تھے کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے چلا۔ ابرہہ کا لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو لشکر والوں نے مکہ والوں کا بہت سا سامان لوٹ لیا جس میں ہمارے نبی عربی کے دادا سردار مکہ حضرت عبد المطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ عبد المطلب

لشکرگاہ میں ابرہہ کے پاس پہونچے، ابرہہ نے اُن کی بڑی تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اور پھر آنے کی وجہ پوچھی۔ عبدالمطلب نے کہا آپ کے سپاہی میرے دو سو اونٹ ہنکالائے ہیں انہیں واپس دلوا دیجئے۔ ابرہہ نے کہا اے سردارِ مکہ مجھے تعجّب ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کے متعلق تو سوال کر دیا مگر کعبہ کے متعلق کچھ نہ کہا جسے میں گرانے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے جواب دیا اے بادشاہ! میں تو اونٹوں کا مالک ہوں لہذا مجھے ان کی فکر ہوئی۔ جو کعبہ" کا مالک ہے وہ اس کا انتظام کر لے گا۔ ابرہہ اس جواب کو سُن کر چپ ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

ابرہہ کے پاس سے لوٹ کر حضرت عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کا حلقہ پکڑ کر خدا سے اس کی حفاظت کی دعا مانگی اور پھر سب مکہ والوں کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چھپ گئے۔

خدا نے عبدالمطلب کی دعا قبول فرمائی۔ جونہی ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا ہزارہا پرند فضا میں چھا گئے جن کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں انھوں نے ابرہہ کی فوج پر برسانی شروع کر دیں، کنکریاں کیا تھیں خدا کا عذاب تھیں جس کے سر پر پڑیں اسے زندہ نہ چھوڑا۔ ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی خود اس کے ہاتھیوں نے اس کی فوج کو کچل ڈالا۔ ابرہہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر یمن پہنچا جہاں کچھ عرصہ کے بعد وہ مر گیا۔

مکہ والوں نے اس غیبی فتح کی بڑی خوشی منائی اور اسے کسی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔

ولادت باسعادت

واقعۂ فیل کے کچھ ہی بعد اسی سال مکّہ کے مقدّس شہر اور قریش کے معزز خاندان میں اُن کے محترم سردار حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر ہمارے تمہارے آقا محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل "سنہ فیل" مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ہے۔

آپ کی پیدائش اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش کا درمیانی زمانہ ۵۷۱ سال ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۱۷۱۶ سال ہے اور حضرت موسٰی علیہ السّلام اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۵۴۵ سال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور طوفان نوح کا درمیانی زمانہ ۱۰۸۱ سال ہے اور طوفان نوح اور حضرت آدم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۲۲۴۲ سال ہے اس حساب سے آپؐ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السّلام کے درمیان ۶۱۵۵ سال کی مدت ہوتی ہے۔

نسب نامہ :۔

والد محترم کی طرف سے آپؐ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

عبداللہ عبدالمطلب ہاشم عبدمناف

قصی کلاب مرہ کعب لوئی غالب

قریش مالک نضر کنانہ خزیمہ مدرکہ

الیاس مضر نزار معد عدنان

عدنان کے بعد، سلسلۂ نسب مبارک کی کڑیوں میں مورخین کا اختلاف ہے۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کڑیاں حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام سے جا ملتی ہیں۔

والدۂ محترمہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آمنہ ۔ وہب ۔ عبدمناف زہرہ ۔ کلاب

کلاب کے بعد کی کڑیاں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکیں۔

یتیمی :۔

سرکار اپنی ولادت سے دو مہینے پہلے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک

شام کی طرف گئے تھے۔ راستہ میں بیمار ہو گئے اور مدینہ میں اپنی ننھیال قبیلہ بنی نجار میں اُتر گئے، اور وہیں انتقال فرمایا۔ اُنھوں نے اپنے بعد پانچ اونٹ اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑی۔

رضاعت :-

عرب کے شرفاء کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دیہات کی دائیوں کے سُپرد کر دیتے تھے تا کہ وہاں کی صاف و تازہ ہوا میں اُن کی تندرستی بھی اچھّی رہے اور اُن کے اخلاق بھی درست رہیں۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق عبدالمطلب نے اپنے پیارے پوتے کو قبیلہ بنو سعد کی ایک بی بی حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت حلیمہ نے سرکار کو چار سال تک اپنے گھر کی رونق بنائے رکھا اور اس زمانہ میں ان کے گھر میں عجیب عجیب برکتوں کا ظہور رہا۔

شقِ صدر :-

جب حضور چوتھے سال میں تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن آپ بستی کے پچھواڑے اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے۔ یکایک دو شخص سپید لباس پہنے ہوئے آپ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے آپ کو زمین پر لٹا دیا اور سینۂ مبارک چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر اسی طرح سینہ جوڑ دیا اور دونوں

کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوّت لگا کر غائب ہو گئے۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر آپ کے بھائی بھاگے ہوئے گھر گئے اور اپنے ماں باپ کو سارا قصّہ سُنایا۔ دونوں میاں بیوی یہ قصّہ سُن کر ہانپتے کانپتے چراگاہ پہونچے، دیکھا تو حضور کا رنگ فق پڑا ہوا ہے۔

انھوں نے فوراً سینہ سے لگا لیا اور پوچھنے لگے۔ لال! کیا بات ہوئی خوف زدہ کیوں ہو۔ حضور نے بھی وہی قصّہ دہرایا۔ حضرت حلیمہ اور اُن کے شوہر نے آپ کو تسلّی دی اور گھر لے آئے[۱]

لیکن اس واقعہ کے بعد حلیمہ فکر میں پڑ گئیں کہ اس دفعہ تو خدا نے خیر کر دی پھر کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو کیا ہوگا۔ اس لئے اگرچہ دل نہ چاہتا تھا مگر مجبوراً حضور کو لے کر مکّہ روانہ ہو گئیں اور حضرت آمنہ کی امانت اُن کو واپس کر دی۔

یسیری:-

سرکار کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ آپ کو آپ کے والد ماجد کی ننھیال مدینہ منوّرہ لے گئیں۔ واپسی میں راستہ ہی میں بیمار ہوئیں اور مقام "ابوار" میں انتقال فرمایا۔ اب آپ کی پرورش کی سعادت آپ کی باندی ام ایمن کے حصّہ میں آئی اور سرپرستی کا فخر آپ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل رہا۔

عبدالمطلب اپنے ہونہار پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اور

---

[۱] حیات سید العرب ۱۶

اکثر کہا کرتے "میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے"

دادا کا انتقال :-

دو سال بعد آپ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۴۰ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کے انتقال پر اُن کے بیٹے اور حضور کے چچا ابو طالب کے حصہ میں یہ دولت آئی اور وہ حضور کی سرپرستی فرماتے رہے۔

ابو طالب بھی اپنے بھتیجے سے بڑی محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ جہاں جاتے اپنے ساتھ لے کر جاتے اور جب سوتے تو اپنے پہلو میں سلاتے غرض کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

مگر انھوں نے آپکی تعلیم کا کوئی انتظام نہ کیا۔ اس زمانہ میں پڑھنے لکھنے کا کچھ ایسا دستور بھی نہ تھا۔ پھر خدا کو منظور بھی یہ تھا کہ وہ ایک اُمّی (غیر تعلیمیافتہ) کو دنیا بھر کی قوموں کا اُستاد بنائے اور اپنی قدرت کا تماشہ دکھلائے

شام کا سفر :-

سرکار کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو آپ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا۔ جب قافلہ شہر "بصریٰ" پہونچا تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرا نے آپ کو دیکھا۔ بحیرا نے آپ میں نبوّت کی علامتیں پاکر آپ کے چچا ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپ کو لے کر واپس لوٹ جائیں

کیونکہ اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہودی آپ کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابوطالب آپ کو لے کر مکہ واپس لوٹ آئے۔

حلف فضول:۔

حضور کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ آپ کے دوسرے چچا حضرت زُبیرؓ کی تحریک پر قریش کے قبیلوں نے ایک معاہدہ کیا کہ "اگر مکہ میں کوئی مظلوم آئے تو وہ اپنا ہو یا غیر، ہم اس کی حمایت کریں گے"۔

حضور پر نور نے بھی اس معاہدہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

شام کا دوسرا سفر:۔

پچیس سال کی عمر میں حضور نے شام کا سفر دوسری مرتبہ کیا اس مرتبہ آپ مکہ کی ایک ممتاز مالدار بی بی حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ بھی تھے۔

اس سفر میں آپ کی ملاقات پھر ایک راہب سے ہوئی جس کا نام "نسطورا" تھا۔ بحیرا کی طرح نسطورا نے بھی آپ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں اور آپ کی رسالت کی پیشگوئی کی۔ آپ کو اس سفر میں بڑا نفع حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح :-

تجارت میں حضورؐ کی شاندار کامیابی دیکھ کر اور میسرہ سے آپ کے عمدہ اخلاق و عادات کا تذکرہ سُن کر حضرت خدیجہؓ سرکارؐ کی گرویدہ ہوگئیں اُنھوں نے خود آپؐ کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر آپؐ سے نکاح کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرمالیا - اور حضرت خدیجہؓ سے آپ کا پہلا نکاح ہوگیا نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اور ان کی عمر چالیس سال کی تھی اور سرکارؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی - حضرت خدیجہؓ آخری وقت تک حضورؐ کی وفادار اور اطاعت گزار بیوی رہیں - اور حضورؐ نے بھی جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہ کی - حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں - صاحبزادے تو بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے مگر تینوں صاحبزادیاں پروان چڑھیں اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی عظمت و جلال کو دیکھا - ان میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں جن کی شادی آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے ہوئی -

ایک مدبرانہ فیصلہ :-

سرکار نامدارؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پُرانی ہوگئی تھی نئے سرے سے بنایا - عمارت تو خیر بن گئی مگر جب

حجر اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخر اُسے حاصل ہو۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے "حرم" میں داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔

دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے سرکار نامدار تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر قبیلہ کا ایک ایک ممتاز شخص اس کے کنارہ کو تھامے اور اس طرح سب مل جل کر اس کو اُٹھائیں۔

حضورؐ کے اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے۔ سب نے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اُسے مل کر اُٹھایا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو حضورؐ نے اسے چادر میں سے اُٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا۔

قبل نبوّت آپؐ کی سیرت :۔

سرکار نامدارؐ کی پاک زندگی کی پہلی منزل، ہی اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف سے بھرپور تھی۔ آپ نے کبھی بیہودہ کھیلوں میں حصّہ نہیں لیا، مشرکوں کے میلوں میں قدم نہیں رکھا۔ نہ کبھی شراب منہ کو لگائی، اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت چکھا۔

سچائی، ایمانداری، خوش معاملگی آپ کے کیرکٹر کی ایسی خوبیاں تھیں جنھیں دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ اپنی قوم میں امین کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ اوصاف آپ میں خداداد تھے۔ آپ نے انھیں کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ آپ نے انھیں اپنی سوسائٹی سے سیکھا۔ کیونکہ جس سوسائٹی میں آپ پیدا ہوئے تھے اسے اُن کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

غارِ حرا :-

نبوت سے پہلے آپ میں تنہا پسندی کی عادت تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا آپ دُنیا اور اُس کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر حرا، ایک غار ہے اکثر آپ وہاں تشریف لے جاتے اور غار کی تنہائی اور رات کی خاموشی میں دنیا کی اصلیت اور اس کے بنانے والے کی عظمت پر غور فرمایا کرتے۔ اور لمبی لمبی راتیں خداوند تعالےٰ کی عبادت میں گذار دیتے

اپنی قوم کی بُری حالت دیکھ کر آپ بہت کُڑھتے اور سوچا کرتے کہ کس طرح انھیں بدی کی دلدلوں سے نکال کر نیکی کے سیدھے اور صاف راستہ پر ڈالا جائے

جوں جوں نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا، آپ کی یہ غور و فکر کی حالت ترقی ہی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ آپ خدا کی عبادت اور مخلوق خدا کی ہدایت کی فکر میں غرق رہنے لگے۔

شرف نبوّت

جب سرکار نامدار نے اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کرلیں تو خدا نے آپ کو نبوّت کا بلند مرتبہ بخشا۔ آپ ایک دن غارِ حرا میں خداوند تعالےٰ کی عبادت میں مصروف تھے کہ جبرئیل امینؑ آپ کے نام خدا کا پہلا پیغام لے کر تشریف لائے وہ پیغام یہ تھا۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق۔ اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

اپنے اس رب کا نام لے جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور جان لو کہ تمہارا رب بزرگ ہے وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔

سرکار نامدار اس عجیب و غریب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے لرزتے کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے۔ بی بی خدیجہؓ سے کہا مجھے چادر اُڑھاؤ اور پھر سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلّی دی اور کہا آپ نیکی کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں، محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں خداوند

تعالیٰ آپ کا بال بیکا نہ ہونے دیگا آپ ہراساں نہ ہوں۔

پھر حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفلؓ کے پاس گئیں۔ یہ ان کے چچازاد بھائی تھے اور بہت بوڑھے تھے۔ اُنھوں نے سب آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور مختلف دینوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا۔

اے خدیجہ! قسم خدا کی یہ فرشتہ جو محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آیا کرتا تھا اور یہ اُس وقت کے نبی ہیں۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا جب ان کی قوم انھیں دُکھ دے گی اور وطن سے نکالے گی اور ان کی پُوری پُوری مدد کرتا۔

دعوتِ اسلام:-

عرب والے اپنے عقیدے کے پکّے اور اپنے بتوں کے دیوانے تھے۔ وہ آسانی سے خدا کے سامنے سر جھکانے والے نہ تھے اس لئے انھیں سیدھے راستہ پر لانے کے لئے بڑی ہوشیاری اور تدبیر سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کو اسلام کا پیغام پہونچایا جن کے دل پہلے سے نیکی کی طرف مائل تھے، چنانچہ سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابو بکرؓ کو

عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو. بچوں میں حضرت علیؓ کو اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد جب آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہو گئی تو آپ کو کھلم کھلا اسلام کا پیغام سنانے کا حکم دیا گیا۔

مخالفت:۔

مکہ والوں نے جب اپنے خیالات اور رسم و رواج کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سنیں تو وہ آپ کے سخت مخالف ہو گئے اور طرح طرح سے آپ کو تکلیفیں دینی شروع کر دیں آپ کو برا بھلا کہتے، آپ پر پتھر پھینکتے اور گندگی اچھالتے، مگر آپ نے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہ کی اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دیتے رہے۔

قرآن کا جادو:۔

جب ڈرانے دھمکانے سے کام چلتا نظر نہ آیا تو کفار مکہ نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ آپس میں مشورہ کر کے عتبہ بن ربیعہ کو جو اپنی قوم کا سردار تھا حضورؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا "اے محمدؐ! تم نے اپنی قوم کو بڑی مصیبت میں ڈالا ہے، تم نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے، ان کی عقلوں کو ناکارہ بنا دیا ہے

اُن کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے اور اُن کے دین کی مذمت کی ہے“
حضورؐ نے فرمایا۔ ” اے ابوالولید، پھر تمہارا کیا مقصد ہے“ ؟
عتبہ نے کہا ” اے محمدؐ تم نے جو ڈھونگ رچایا ہے اگر اس سے مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہارے لئے دولت جمع کر دیں۔ اگر عزت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم پر کوئی اوپری اثر ہے تو ہم اس کا علاج کرادیں“
آپؐ نے عتبہ کی اس بکواس کا کچھ جواب نہ دیا بلکہ سورہ سجدہ کی کچھ آیتیں سُنائیں۔ قرآن کی یہ آیتیں سُن کر عتبہ کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی اور اسی حالت کے ساتھ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا۔ کفار مکہ نے پوچھا ”کیوں ابوالولید کیا بات ہوئی ؟“ عتبہ نے کہا ” کچھ نہ پوچھو میں نے ایسا کلام سُنا ہے جو نہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت[۱] ہے اے قوم قریش تم میری بات مانو اور اس شخص کے پیچھے نہ پڑو۔ واللہ اس شخص کا یہ کلام بے اثر نہ ہوگا“
کفار مکہ نے جب ولید کی زبان سے خلاف امید یہ باتیں سُنیں تو یک زبان ہو کر کہنے لگے ابوالولید معلوم ہوتا ہے تم پر بھی جادو کر دیا ہے

معجزہ شق القمر:-

جب کفار مکہ کی یہ تدبیر بھی نہ چلی تو انھوں نے ایک اور چال کھیلی ایک دن بہت سے کافر جمع ہو کر آپ کے پاس پہونچے اور بولے۔

---

[۱] نجومیوں کے کلام کو کہانت کہتے ہیں۔ ۱۲

اے محمدؐ! تم اپنے آپ کو خدا کا سچا نبی بتاتے ہو، اگر یہ سچ ہے تو ہمیں کوئی ایسی بات دکھاؤ جس سے ہم تمہیں خدا کا نبی ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور فوراً اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر بھی ان کافروں کے دل کی آنکھیں نہ کھلیں اور یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ آج تو محمدؐ نے ہم سب پر جادو کر دیا۔"

ہجرتِ حبشہ

ان تمام تدبیروں کے ناکام ہونے سے کافر اور زیادہ بھڑک اُٹھے اور اُنھوں نے رسولِ اکرم صلعم اور مسلمانوں کو اور زیادہ تکلیفیں دینا شروع کردیں۔ رسول اکرمؐ خود تو ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے لیکن آپ سے اپنے ساتھیوں کی تکلیفیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جائیں جہاں کا حاکم ایک نیک دل عیسائی "نجاشی" تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نبوّت کے پانچویں سال دس مردوں اور پانچ عورتوں کا ایک مختصر قافلہ خدا کے راستہ میں اپنا وطن، اپنا گھر بار اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت جعفر ابن ابی طالب تھے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نہایت آرام کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے ملک میں رکھا۔ مگر چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تنہائی اور بیگانگی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ تین دن ٹھیرنے کے بعد واپس مکہ آگئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی ہوگئی تو رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ایک بڑا قافلہ روانہ ہوا جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں اُن کے علاوہ یمن کے بھی کچھ مسلمان، جن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے ان کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب کی مرتبہ ان کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی تمام مسلمان ایک "خدائی کنبہ" بن کر نجاشی کی حمایت میں امن واطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔

ایک اور چال:-

مسلمانوں کو اپنے گھر سے بے گھر کر کے بھی کفار مکہ کو صبر نہ آیا انھیں جب یہ خبر ملی کہ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دے دی ہے اور وہ اُن کے ساتھ شرافت اور نیکی سے پیش آتا ہے اور ان کے مذہب میں رخنہ اندازی نہیں کرتا تو انھیں یہ بات بہت ناگوار گذری۔ چنانچہ انھوں نے بہت سے تحفے تحائف دیکر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

ان لوگوں نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے کہا۔ "اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان لوگ آپ کے ملک میں آبسے ہیں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ انھوں نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑکر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی اس نئے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ انھیں اپنے

ملک میں پناہ نہ دیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیجئے ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں۔

نجاشی نے کہا۔ میں جب تک ان لوگوں کو بلا کر اُن کا جواب نہ سن لوں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بُلایا اور اُن سے وفد کے الزامات کا جواب دینے کے لئے کہا۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور انھوں نے یہ تقریر کی:۔" اے بادشاہ! ہم پہلے جہالت میں پھنسے ہوئے تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے، بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے تھے آپس میں لڑتے مرتے تھے، پڑوسیوں کو تکلیف پہونچاتے تھے اور کمزوروں کو ستاتے تھے کہ خداوند تعالے کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اُس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا

ہم خدا کے اُس مقدس نبیؐ کی شرافت، سچائی، ایمانداری اور پارسائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں تعلیم دی کہ خدا کو ایک جانو، بتوں کی پوجا نہ کرو، سچ بولو آپس میں میل ملاپ سے رہو، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو، فساد نہ پھیلاؤ، بے حیائی اختیار نہ کرو، بدکلامی سے بچو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو، صدقہ دو اور حج کرو۔ اے بادشاہ ہم نے خدا کے پیغمبرؐ کی اس تعلیم کو قبول کر لیا اور ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بس یہ ہمارا سارا قصور ہے۔

نجاشی پر حضرت جعفرؓ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے کہا کہ

"تمہارے نبی پر خدا کا جو پیغام اُترا ہے اس میں سے کچھ سناؤ"۔

حضرت جعفرؓ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریم کا کچھ حصہ سُنایا۔ قرآن کریم کی یہ سورۃ سُن کر نجاشی نے کہا "یہ کلام اور حضرت عیسیٰؑ کا کلام دونوں ایک چراغ کی دو روشنیاں ہیں" اور مسلمان ہو گیا۔ اس نے قریش کے تمام تحائف واپس کر دیئے۔ قریش کا وفد ناکام و نادم واپس آیا اور مسلمان پہلے سے بھی زیادہ امن چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔[1]

حضرت عمرؓ سے اسلام کی قوّت :-

ادھر مکہ میں کافروں کی ہر قسم کی مخالفت اور ایذار کے باوجود روز بروز اسلام ترقی پکڑتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) اور حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب بہت بہادر اور بہت معزز آدمی سمجھے جاتے تھے۔ سرکار نامدارؐ نے خدا سے دعا مانگی کہ "اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوجہل میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش کر اسلام کو قوت دے!" خدا نے اپنے پیارے نبی کی یہ دُعا قبول کی اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

اس وقت تک مسلمان خفیہ طور پر اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا

---

[1] درس التاریخ و نور الیقین ۱۲

کیا کرتے تھے لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام لاتے ہی حضور سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ اب ہم کعبہ میں نماز پڑھیں گے، کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ حضورؐ نے اُن کے کہنے پر مسلمانوں کو ساتھ لے کر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔

بائیکاٹ :-

مکہ کے کافر اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبیلے جمع ہوئے اور انھوں نے ایک معاہدہ کیا۔

"معاہدہ" کا خلاصہ یہ تھا کہ بنی ہاشم (رسول اللہؐ کے خاندان) سے کہا جائے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے کر دیں اگر وہ نہ مانیں تو پھر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ نہ کوئی ان سے ملے جلے، نہ کوئی ان سے بیاہ شادی کرے۔ اور نہ کوئی اُن کے ہاتھ خرید و فروخت کرے۔

یہ معاہدہ لکھ کر اطلاع عام کے واسطے خانہ کعبہ کی دیوار میں لٹکا دیا گیا۔ بنی ہاشم نے رسول اکرمؐ کو سُپرد کرنے سے انکار کر دیا اور سوائے ابولہب کے سارا خاندان شہر کو چھوڑ کر ایک پہاڑ کے درہ میں جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، جا بسا یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال

کا ہے۔

بنی ہاشم تین سال سے زیادہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے اس مدّت میں اُنھیں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ کھانے پینے کی اتنی تنگی تھی کہ کسی کسی دن درختوں کے پتّے چبا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔

آخر کار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا اُن میں سے چار آدمی کھڑے ہوئے اور باوجود دوسروں کی مخالفت کے اُنھوں نے اس عہد نامہ کو ختم کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔

رسول اکرمؐ کی پیشگوئی:۔

خداوند جلّ وعلیٰ نے پہلے ہی اپنے پیارے رسول کو خبر دیدی تھی کہ قریش کے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی لفظ باقی نہیں رہا اور اب بہت جلد اس دیمک کھائے ہوئے معاہدہ کو چاک کردیا جائے گا۔ سرکارؐ نے اپنے چچا ابو طالب کو یہ خوشخبری سُنادی۔

چنانچہ یہ معاہدہ چاک کردیا گیا اور جب مطعم بن عدی نے اسے چاک کرنے کے لئے اتارا تو اس میں سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی حرف باقی نہ رہا تھا۔

اب بنی ہاشم پھر مکہّ میں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بدستور اپنے فرض کو انجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

دو حادثے:۔

نبوت کا دسواں سال تھا کہ سردار نامدار کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ انھوں نے اپنی قوم کے کہنے سننے کی شرم سے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر وہ اپنی ساری زندگی رسول اللہ صلعم کی حفاظت و حمایت میں کمربستہ رہے۔ انھوں نے سارے خاندان، بلکہ تمام عرب سے دشمنی مول لی مگر اپنے عزیز بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کی حمایت کی وجہ سے اُن کے جیتے جی کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضور کو کوئی سخت تکلیف پہنچائے چچا کے انتقال کے چند ہی روز بعد حضور پُرنور کی پہلی رفیقہ زندگی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی خدا کو پیاری ہوئیں۔ یہ بڑی ہمدرد و غمگسار بی بی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ان کی وجہ سے بڑی ڈھارس تھی، ان دونوں واقعات کو حضور پُرنور نے بہت محسوس فرمایا۔ اور آپ نے اس سال کا نام "غم کا سال" رکھا۔

طائف کا سفر:۔

ابو طالب کے انتقال سے کافروں نے فائدہ اٹھایا اور خدا کے پیارے نبی کو وہ اور زیادہ پریشان کرنے لگے۔ راستہ چلتے ہوئے آپ کے سر مبارک پر خاک بکھیرتے تھے، سجدہ کی حالت میں بکری کی اوجھڑی

کمر پر رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات آپ کا دامن پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کیا تم ہی ہمارے بہت سے خداؤں کا ایک خدا بنانا چاہتے ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ آگے بڑھتے اور کہتے اے لوگو! کیا تم ایک خدا کے بندہ کو اس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ خدا کو ایک سمجھتا ہے۔

جب حضور پُر نور نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی امید نہیں تو آپ نے طائف کا قصد کیا تاکہ وہاں خدا کے دین کی تبلیغ کریں۔ طائف میں ثقیف کے قبیلے آباد تھے جن سے رسول مقبولؐ کی کچھ دور کی قرابت بھی تھی۔ ان قبیلوں کے سرداروں سے حضور نے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ان کمبختوں نے خدا کی اس دولت کو نہایت بے پروائی سے ٹھکرا دیا اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنی قوم کے غنڈوں کو بھڑکا کر حضور پُر نورؐ کے پیچھے لگا دیا۔ ان غنڈوں نے خدا کے پیارے نبی پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کے خادم زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ وہ اگرچہ پتھروں کی بوچھار کو اپنے اوپر لینے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی سرورِ کائنات کے قدم مبارک لہو لہان ہو گئے۔

حضورؐ بستی سے نکل کر زخموں سے چور تھکن سے نڈھال ایک باغ کے قریب انگور کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اس باغ کے مالک نے ترس کھا کر انگوروں کا ایک خوشہ آپ کو بھیجا۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کر کے اسے تناول فرمایا۔

آپ نے یہاں بیٹھ کر دعا مانگی کہ "اے خدا میں تجھ ہی سے اپنی

کمزوری اور اپنی ذلت کا شکوہ کرتا ہوں۔ تو کمزوروں کا مددگار ہے۔ تو مجھے کس کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے۔ اگر تو مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی ناراضی کی پروا نہیں۔"

خدا کے حکم سے جبرئیل علیہ السّلام حاضر ہوئے اور کہا "اے خدا کے نبی، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ جس طرح آپ فرمائیں آپ کی ظالم قوم سے اس وحشیانہ حرکت کا بدلہ لوں۔" حضور پر نورؐ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ ناواقف ہیں۔"[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

معراج

اسی زمانہ میں خدا تعالےٰ نے اپنے پیارے نبی کو اپنے دربار میں حضوری کی عزت بخشی۔ یہ وہ عزت ہے جو جیتے جی کسی نبی کو میسّر نہ ہوئی۔

آپ ایک رات حضرت اُم ہانی رض کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور "غیبی دنیا" کے سفر کی آپ کو دعوت دی۔ حضرت جبریلؑ اپنے ساتھ ایک سواری "براق" لے کر آئے تھے۔ یہ سواری اس قدر تیز تھی کہ نگاہ کی تیزی اس کے آگے مات تھی۔ حضورؐ اس پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس آئے۔ یہاں تمام دوسرے انبیاء کرامؑ بھی موجود تھے آپؐ ان کے امام بنے، اور سب نبیوں نے آپ کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔

اس کے بعد آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے، ہر ہر منزل پر خدا کے نبیوں نے آپ کا استقبال کیا۔ خدا کے دربار میں پہنچے، اُس کے حُسن کا جلوہ دیکھا، اس کا کلام سُنا، اس کی قدرت کے عجائبات دیکھے اور یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا۔

صبح کو جب آپ نے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کیا، تو کافروں کو مذاق اُڑانے اور فقرے کسنے کا ایک اور موقعہ مل گیا، ابوجہل ہمیشہ مخالفت میں آگے آگے رہتا تھا۔ جوں ہی اس کے کانوں میں یہ بات

پڑی کُل میں اس سرے سے اس سرے تک گھوم گیا۔ ہر شخص سے کہتا "تم نے کچھ سُنا وہ صاحب جن کے پاس پہلے خدا کا پیام آتا تھا اب خدا سے بات بھی کر آئے ہیں" کافروں میں سے جو کوئی یہ سنتا وہ بھی ٹھٹھا لگاتا۔

امتحان :-

چند کافر جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے امتحان کے لئے حضورؐ کے پاس آئے اور آپ سے وہاں کی کیفیت پوچھنی شروع کی۔ آپؐ نے اُن کے سامنے سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ مگر چونکہ ان کا مقصد ہی شرارت تھا۔ اس لئے اب وہ کہنے لگے "یہ بتایئے فلاں عمارت کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں اور فلاں دیوار میں طاق کس قدر ہیں؟"

ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی عمارت کو دیکھے وہ ایسی معمولی معمولی چیزوں کی طرف توجہ نہیں کیا کرتا۔ لیکن کافروں کو ذلیل کرنے کے لئے خداوند تعالےٰ نے بیت المقدس حضورؐ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا اور آپؐ نے کافروں کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ مگر وہ کمبخت اب بھی نہ مانے۔ کہنے لگے اچھا صاحب یہ تو بتایئے ہمارا تجارتی قافلہ جو شام سے لوٹ رہا ہے اس وقت کہاں ہے اور اس میں کتنے اونٹ ہیں اور ان پر کیا کیا سامان ہے؟

حضورؐ نے خدا کی مدد سے ان کو قافلہ کی بھی پوری کیفیت بتا دی اور

یہ بھی بتا دیا کہ فلاں دن سورج نکلتے ہی مکہ میں داخل ہوگا اور سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہوگا۔

کافر یہ کہہ کر چلے گئے کہ قافلہ کو آنے دیجئے پھر ہم آپ کے سچ جھوٹ کے متعلق فیصلہ کریں گے۔ مگر جب حضورؐ کی پیشگوئی کے مطابق، اسی دن، اسی وقت، اسی کیفیت سے قافلہ مکہ میں پہنچا اور قافلہ والوں نے حضورؐ کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی تو وہ شرمندہ ہو کر کہنے لگے "محمدؐ تم تو جادوگر ہو۔"

صدیق :-

انہی کافروں کی کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ سوچا کہ محمدؐ صلعم سے بدگمان کرنے کا یہ اچھا موقعہ ہے۔ کہنے لگے "ابوبکر خبر بھی ہے، تمہارے دوست محمدؐ کہتے ہیں کہ انھوں نے کل کی رات آسمانوں کی سیر کی ہے۔ بھلا کوئی اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "اگر محمدؐ صلعم یہ فرماتے ہیں تو ضرور صحیح فرماتے ہیں" کافر بولے میاں ایسی عجیب بات کی بھی تم تصدیق کرتے ہو" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کر رہا ہوں" حضورؐ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا لقب دیا۔ صدیق کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا۔[1]

یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب دوشنبہ کی رات کا ہے[2]

---

[1] نور الیقین [2] محمدؐ رسول اللہ ۱۲

قبائلِ عرب میں تبلیغ

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش کی طرف سے نا اُمید ہو گئے تو آپ نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کر دی۔ حج کے موسم میں سارے عرب کے قبیلے مکہ آتے تھے۔ آپ ان قبیلوں میں جاتے اور انھیں اسلام کی طرف بلاتے کوئی ایمان لاتا اور کوئی نہ لاتا۔

مدینہ میں اشاعتِ اسلام :-

مدینہ میں "عرب عاربہ" کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے اُن کا اصلی وطن تو یمن تھا مگر یمن کے مشہور سیلاب کے بعد یہ مدینہ چلے آئے تھے اور یہاں کے پُرانے باشندوں کو جو یہودی تھے مغلوب کر کے یہ مدینہ میں بس گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں بھی چلتی رہتی تھی۔ اور یہودیوں سے بھی لڑائی رہتی تھی یہ مشرک تھے اور یہودی "اہلِ کتاب" تھے۔ یہودیوں کو "توریت" سے نبی عربی صلعم کے تشریف لانے کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اکثر اوس و خزرج سے کہا کرتے کہ "اب نبی آخر الزماں کا زمانہ قریب آ لگا ہے۔ ہم اُن کی مدد سے پھر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں گے"

ایک مرتبہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ آدمی حج کے لئے آئے حسب معمول حضورؐ اُن کے پاس اسلام کا پیام لے کر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے سوچا کہ یہ وہی نبی آخرالزماں معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہودی اُن پر ایمان لاکر ہم کو مغلوب کردیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہوگئے۔

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغ اسلام شروع کی۔ چنانچہ اگلے سال بارہ آدمی خزرج اور اوس کے قبیلوں کے مدینہ سے مکہ آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے حضرت مُصعب ابن عمیرؓ کو اُن کے ساتھ کردیا تاکہ انھیں قرآن کی تعلیم دیں ان لوگوں کی تبلیغ اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کثرت کے ساتھ وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور گھر گھر نبی آخرالزماںؐ کا چرچا ہوگیا

چنانچہ اگلے سال جو نبوّت کا تیرھواں سال تھا مدینہ کے ۷۳ مردوں اور عورتوں نے مقام "عقبہ" میں کفار سے پوشیدہ حضور پُرنورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضورؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے ایک مختصر تقریر میں کہا:

"اے اہل مدینہ! محمدؐ اپنے کنبہ میں عزت اور حفاظت کے ساتھ ہیں ہم نے اب تک انھیں دشمنوں سے بچایا۔ اب تم انھیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو اچھی طرح سمجھ لو، اگر تم اپنے عہد کو پورا کرسکو اور دشمنوں سے اُن کی حفاظت کرسکو تو تم لے جاسکتے ہو ورنہ انھیں یہیں رہنے دو۔"

یہ سُن کر براء بن معرور (سردار خزرج) کھڑے ہوئے اور انھوں نے جواب دیا "ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں اگر ہمارے دل میں کچھ بدی ہوتی تو ہم اُسے ضرور ظاہر کر دیتے لیکن ہم نے وفاداری اور سچائی پر قائم رہنے اور رسول اللہ پر اپنی جانیں قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

اس کے بعد سب یک زبان ہو کر بولے "یا رسول اللہ ہم سے آپ جو وعدہ لینا چاہتے ہیں شوق سے لیجیئے"۔ آپ نے فرمایا کہ "میں تم سے اپنے خدا کے لئے تو یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے لئے یہ کہ تم اپنے گھر والوں کی طرح میری بھی حمایت کرو"۔

یہ سُن کر براء نے کہا یا رسول اللہ "ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں"۔

ابو الہیثم ابن تیہان ایک دوسرے سردار نے کہا "یا رسول اللہ اس بیعت کے بعد دوسرے قبیلوں سے ہمارے معاہدے ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو نہ ہوگا کہ جب آپ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں"۔ یہ سُنکر حضورؐ مسکرائے اور فرمایا "نہیں اب میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے"۔

اس بیعت کے بعد جسے "بیعت عقبۂ ثانیہ" کہتے ہیں سرکار نامدارؐ نے مرکز اسلام مکہ سے مدینہ منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ منورہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکم خداوندی کے منتظر رہے۔

---

۵ محمد رسول اللہ ۱۲۔

ہجرتِ مدینہ

آخر کار وہ وقت آ گیا کہ خدا کا پیارا نبی، خدا کے پیغام کو مخلوق میں عام کرنے کے لئے اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جائے چنانچہ ایک رات جب کفارِ مکہ حضورؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے آپ خدا کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ آپ نے اپنے دو سب سے پرانے رفیقوں میں سے ایک (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کو اپنے ساتھ لیا اور دوسرے رفیق (حضرت علیؓ) کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا دیا تاکہ کافروں کو حضورؐ کے تشریف لے جانے کی خبر بھی نہ ہو اور حضورؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں انھیں واپس بھی کر دیں۔

مکہ سے نکل کر حضورؐ نے تین دن تک "غارِ ثور" میں قیام فرمایا اور پھر آپ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

صبح ہونے کے بعد جب کافروں کو جو رات بھر تلواریں لئے حضورؐ کے مکان کے چاروں طرف ٹہلتے رہے تھے، معلوم ہوا کہ آپ مکہ سے رخصت ہو گئے تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجلائے۔ انھوں نے چاروں طرف سوار دوڑا دیا کہ جہاں حضورؐ ملیں پکڑ لائیں اور حضورؐ کو گرفتار کرنے والے کے لئے

سَو اونٹ کا انعام بھی مقرر کیا، مگر خدا کی تدبیر کے آگے ان کی کوئی تدبیر نہ چل سکی۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے پاؤں کے نشانوں کی مدد سے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور اُن میں سے ایک نے کہا بھی کہ "شاید محمدؐ اس غار میں ہوں۔ لیکن دوسرے نے جواب دیا کہ محمدؐ اس غار میں نہیں ہو سکتے۔ اس کے منہ پر مکڑیوں نے جالا تن رکھا ہے اور کبوتروں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔"

جب کافر یہ گفتگو کر رہے تھے تو حضرت ابو بکرؓ کو کچھ پریشانی ہوئی لیکن حضورؐ نے بڑے اطمینان سے انہیں تسلّی دی کہ "فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔" چنانچہ خدا کی مدد شاملِ حال رہی اور کافر سر پر پہنچکر بھی ناکام لوٹ گئے۔

قبا میں نزول

مدینہ والوں کو جب سے یہ خبر ملی تھی کہ خدا کا پیارا نبی محمدؐ عربیؐ اُن کی بستی کی رونق اور اُن کی آنکھوں کے نور میں اضافہ کرنے والا ہے خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ روزانہ کئی کئی میل تک بستی سے باہر نکل کر انتظار کرتے تھے کہ وہ نظر آئیں تو اپنی مشتاق نگاہیں پیروں تلے بچھائیں، مگر دن چڑھے تک انتظار کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔

ایک دن حسبِ معمول مدنی پروانوں کا ہجوم، شمعِ نبوت کی روشنی

کا انتظار کر کے واپس لوٹ چکا تھا کہ ایک یہودی یکایک چیخ اٹھا۔ "لوگو! تمہیں جن کا انتظار تھا وہ آ گئے"!

یہ آواز سنتے ہی ساری بستی میں خوشی کا طوفان لہریں مارنے لگا۔ نعرہ ہائے مسرت سے فضا گونج اٹھی اور لوگ بے تحاشا مکہ کی سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔

سرکار نامدارؐ کو پہلے "قبا" میں جو مدینہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے اُتارا گیا۔ یہاں آپ نے چار روز قیام فرمایا۔ حضرت علیؓ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی یہیں آ ملے۔

سرکار نامدارؐ نے یہاں تاریخ اسلام میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی، اور یہیں مسلمانوں کے مجمع میں سب سے پہلے خطبہ دیا۔

مکہ کے "چاند" کا طلوع :-

۱۲ ربیع الاوّل، جمعہ، مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بھی مدینہ والوں کے لئے ایک یادگار دن تھا۔ سڑکوں اور بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور کوٹھے اور چھتیں عورتوں اور بچوں سے پٹی پڑی تھیں۔ یکایک مکہ کا چاند مدنی ستاروں کے جھرمٹ میں نمودار ہوا اور مدینہ کی فضا اس نغمہ سے گونج اٹھی۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع — وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

مدنی پروانوں کے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ ہر شخص حضورؐ کی ناقہ کی مہار کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح نبیؐ کی مہمانی کی دولت اس کے حصہ میں آ جائے سرکارؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا " اونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور اسے چلنے دو جہاں خدا کو مجھے اتارنا ہے وہاں یہ اپنے آپ رک جائے گی" چنانچہ "بنی مالک بن نجار" کے محلہ میں پہنچکر اونٹنی خود بخود حضرت ایوب انصاریؓ کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور یہ سعادت ان کو نصیب ہوئی۔

اپنے محلہ میں حضورؐ کو اترتے دیکھ کر بنی نجار کے بچے خوشی میں مست ہو گئے اور چند بچیوں نے وارفتگی کے عالم میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا

نحن جوار من بنی النجار　　یا حبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، آہا محمدؐ کیسے اچھے ہمارے پڑوسی ہیں)

حضورؐ نے معصوم بچوں کے اس محبت بھرے نغمے کو سنا تو آپ فرمانے لگے "بچو! کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو" بچوں نے جواب دیا "ہاں یا رسول اللہ"! یہ جواب سن کر حضور نے فرمایا "خدا جانتا ہے میرا دل بھی تمہاری محبت سے لبریز ہے"۔ ۵ؑ

۵ؑ نور الیقین ۱۲

بھائی چارہ :-

مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے کے بعد سرکار نے ایک شخص کو مکہ بھیج کر اپنے سب گھر والوں کو بھی بلوا لیا۔ اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے مدینہ میں آ گئے۔

مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر بے سر و سامانی کی حالت میں آئے تھے اس لئے ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ سرکار نامدار نے ہر مہاجر (مکہ سے ہجرت کرنے والے) کو ایک انصاری (مددگار مدینہ والے) کا بھائی بنا کر اس کے سپرد کر دیا۔ مدینہ والوں نے حضورؐ کے قائم کئے ہوئے اس رشتہ کو سگے رشتہ سے زیادہ سمجھا اور اپنی ہر چیز کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا۔ اور دوسرا حصہ اپنے مہاجر بھائی کے لئے پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی کے دو بیویاں تھیں تو انھوں نے اپنے بھائی مہاجر سے کہا کہ میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔

مسجد نبوی :-

اب تک مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد نہ تھی۔ مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مسجد کی

تعمیر شروع کرادی۔ اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی بنائی گئیں، کھجور کی لکڑی کے ستون قائم کئے گئے۔ اور کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھت پاٹی گئی۔ اس مسجد کا فرش بھی کچا تھا اور چھت بھی کچی تھی۔ اس لئے جب مینہ برستا تھا تو ہر طرف کیچڑ ہو جاتی۔

مسجد کے ساتھ حضور کی ازواج مطہرات کے لئے بھی حجرے بنائے گئے یہ حجرے بھی کچے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ نے مزدورین کر کام کیا۔ خود سرور عالمؐ بھی اُن کے ساتھ شریک تھے۔

نئے مخالفین:-

مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں بہت سے یہودی خاندان بھی آباد تھے۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُن کی عرب قبیلوں سے مخالفت رہتی تھی۔ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اسلام کے قبول کرنے کے بعد مدینہ کے دونوں عرب قبیلے اوس اور خزرج مل جل کر شیر و شکر ہو گئے اور مکہ سے آنے والے مہاجرین سے اُن کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور یہ طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو انہیں بڑا فکر پیدا ہوا اور وہ اسلام کی طاقت کو توڑنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

مدینہ میں ایک شخص "عبداللہ ابن اُبی" تھا۔ یہ وہاں کا سب سے بڑا رئیس تھا اور حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے وہاں کی بادشاہت کا اُمیدوار تھا۔ مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا عام میلان دیکھ کر ظاہر میں تو

یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا مگر باطن میں سرکار نامدارؐ کے اقتدار کو اپنی آرزوؤں کے لئے موت کا پیغام سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ یہودیوں کا خفیہ طور پر مددگار بن گیا اس طرح "کفار مکہ" کی بجائے "مدینہ کے یہود اور منافقین" کی ایک نئی جماعت مسلمانوں کی حریف پیدا ہو گئی۔

چونکہ سرکار نامدارؐ جہاں تک ممکن ہو لڑائی جھگڑے سے بچنا پسند کرتے تھے اس لئے اس وقت آپ نے چند شرطوں پر یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا۔

اس معاہدہ کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے مذہب اور جان ومال کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور اگر فریقین میں کوئی جھگڑا پیدا ہوگا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر اس میں مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت محفوظ تھی۔

جہاد

سرکار نامدار رحمۃ للعالمین صلعم، تیرہ سال تک حکمت اور نصیحت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ کا مذاق اُڑایا گیا۔ آپ کو دیوانہ اور جادوگر بنایا گیا، آپ پر نجاست پھینکی گئی، آپ کو زخمی کیا گیا، آپ کے قتل کی سازشیں کی گئیں، آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اور آخر کار گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ سب ظلم آپ نے سہے۔ اور صبر کیا۔

خیال یہ تھا کہ اب مکہ سے نکل جانے کے بعد تو مکہ کے کافر پیچھا چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ خدا کا نام لینے دیں گے۔ مگر ان بدبختوں نے خدا کے دین کی روشنی قبول کرنے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اُسے بُجھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ مکہ میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کو مٹا دینے کی ساز باز شروع کر دی۔

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی ان سازشوں سے مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملہ کا اندیشہ رہتا تھا اور رسول اللہ صلعم اور بعض بہادر مسلمان ساری ساری رات پہرہ دیتے گزار دیتے تھے۔

اب رسول اکرم صلعم کو خداتعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے کافروں کا مقابلہ کریں اور خدا نے اپنی مدد کا انہیں یقین دلایا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔

ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں لڑنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس جرم میں کہ اپنا معبود خدا کو بتاتے ہیں

اسلامی شریعت میں اس قسم کی لڑائی کو "جہاد" کہتے ہیں اور یہ رہتی دنیا تک اُن پر فرض کیا گیا ہے۔

خداوند تعالےٰ کے اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ بعض لڑائیوں میں خود سرکار نامدار شریک ہوئے اور بعض میں کسی تجربہ کار صحابی کو اپنی جگہ امیر بنا کر بھیج دیا۔ جن لڑائیوں میں خود حضورؐ شریک ہوئے انھیں "غزوہ" کہا جاتا ہے اور جن میں حضورؐ شریک نہیں ہوئے انھیں "سرایا"۔ غزوات کی تعداد ۲۳ ہے اور سرایا کی ۴۳۔ ان تمام لڑائیوں میں خدا نے اپنے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی۔ صرف غزوۂ اُحُد اور غزوۂ حُنین دو لڑائیوں میں مسلمانوں کو کچھ نقصان ضرور پہونچا۔ غزوۂ احد میں اس لئے کہ اُنھوں نے رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل میں غفلت برتی اور غزوہ

حنین ہیں اس لئے کہ انھیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو گیا۔
اب ہم چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو چھوڑ کر صرف چند خاص خاص اور بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر کبریٰ

یہ لڑائی ۲ھ میں کفار مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ مکہ والے ہر سال تجارت کا سامان لے کر ملک شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت پر اُن کی جنگی طاقت کا دارومدار تھا۔ اس سال بھی اُن کا قافلہ ملک شام گیا تھا۔ جب قافلہ لوٹتے ہوئے مدینہ کے قریب پہونچا تو مسلمانوں کی رائے ہوئی کہ اس پر حملہ کیا جائے تاکہ کافروں کی طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہو جائے اور انھیں مسلمانوں پر حملہ کا موقع نہ ملے۔

چنانچہ رسول اکرم صلعم ۳۱۴ جاں نثار مہاجرین وانصار کو ساتھ لیکر مدینہ سے نکلے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی (جو قافلہ کے سردار تھے) مسلمانوں کے اس ارادہ کی کسی طرح خبر ہو گئی۔ انھوں نے فوراً ایک سوار کو مکہ دوڑایا اور خبر دی کہ مسلمان اُن پر حملہ کرنے کے لئے نکل آئے ہیں فوراً مدد کو بھیجیں اور خود راستہ بدل کر اپنا قافلہ سمندر کے کنارے کنارے نکال لے گئے۔

مکہ والے پہلے ہی سے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار بیٹھے تھے بس اپنے قافلہ کے واپس آنے کا انتظار تھا انھیں جو یہ خبر ملی تو ۱۰۰۰ آدمیوں کا لشکر جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر نکل کھڑا ہوا۔

صحابہؓ کا جوشِ ایمانی

جب سرورِ عالمؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ تو نکل گیا ہے اور اُن کی زبردست فوج مقابلہ کے لئے آرہی ہے تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آگے بڑھا جائے یا مدینہ لوٹ آیا جائے۔ بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ چونکہ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے ہیں اس لئے لوٹ جانا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا "اے لوگو! خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ یا قافلہ ہمارے ہاتھ آئے گا اور یا ہمیں فتح نصیب ہوگی۔ چونکہ قافلہ نکل گیا ہے اس لئے فتح یقینی ہے۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "یارسول اللہ خدا کی طرف سے جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی قوم کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کہہ دیا تھا "موسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ جواب سنکر حضورؐ نے اُنھیں دعا دی اور انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تم لوگ اپنی رائے ظاہر کرو" بات یہ تھی کہ انصار سے جو معاہدہ ہوا تھا اُس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ انصار اپنی بستی میں حضورؐ کی حفاظت کریں گے نہ یہ کہ وہاں سے نکل کر دوسروں پر حملہ کرنے میں بھی مدد دیں گے اس لئے انصار سے اُن کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔

حضرت سعد بن معاذؓ سردار اوس آگے بڑھے اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ جب ہم آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کو خدا کا سچا نبی مان لیا پھر خدا آپ کو جو حکم دے، کر گزریئے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم خدا کی اگر آپ سمندر میں کود یں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں کود یں گے"۔

انصار کے اس جواب سے حضورؐ کا چہرۂ مبارک چمک اُٹھا اور بہت خوش ہوئے[1]

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ایک مقام بدر ہے، وہیں قریش کی فوج اُتری ہوئی تھی۔ سرکار نامدارؐ نے اسی طرف کوچ کا حکم دیا اور وہاں پہنچکر ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

مقابلہ:-

۱۷ رمضان ۲ھ کو صبح کے وقت دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایک طرف ایک ہزار سازو سامان سے آراستہ کافر تھے اور دوسری طرف ۳۱۳ بے سروسامان مسلمان تھے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا اور پھر خدا سے دعا مانگی" اے اللہ یہ قریش کے کافر غرور میں مست ہو کر آئے ہیں، تیری نافرمانی کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ جس مدد کا تو نے وعدہ کیا ہے اُسے پورا کر"۔

اس کے بعد پہلے ہر فریق کی طرف سے ایک ایک آدمی لڑنے کے

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

لئے نکلا اور پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور خدا کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔

اس لڑائی میں قریش کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی تھا۔ اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کی جماعت میں سے صرف بارہ شہید ہوئے۔

صحابہؓ کی مختلف شانیں :۔

کافر قیدی جب مدینہ پہنچے تو رسول اکرم صلعم نے صحابہ کرام رضؓ سے ان کے بارہ میں مشورہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ ان لوگوں نے ہمیشہ آپ کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ آپ ان میں سے ہر ایک کو اُس کے مسلمان رشتہ دار کے ہاتھ سے قتل کرائیں تاکہ ایک طرف یہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچیں اور دوسری طرف دنیا کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے دل میں مشرکوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "یارسول اللہ اب خدا نے آپ کو ان پر فتح دی ہے تو ان پر رحم ہی کیجئے اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہوں اور اُن کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا موقع باقی رہے۔

حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے فرمایا" اے خدا جس نے میری پیروی کی وہ میری

جماعت میں سے ہے۔ اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو اس کو بخشنے والا اور اُس پر رحم کرنے والا ہے" اور اے عمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے دعا مانگی" اے اللہ زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ" اور حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا[۱]

چنانچہ جو مالدار قیدی تھے اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو غریب قیدی تھے اُن سے کہا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

---

[۱] نور الیقین ۱۲

غزوۂ غطفان

یہ کوئی بڑا غزوہ نہیں ہے مگر اس میں ہمت و جرأت کا ایک سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ اس لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

۳ھ میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے ۴۵۰ افراد دعثور بن الحارث کے ماتحت اس ارادہ سے نکلے کہ مدینہ پر ڈاکہ ماریں۔ نبی کریم صلعم صحابہ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کو مقابلہ پر آکر لڑنے کی ہمت نہ ہوئی اور پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مسلمان لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں بارش ہو گئی اور سب کے کپڑے بھیگ گئے۔ اور جب بارش رکی تو سب نے اپنے کپڑے سکھانے کے لئے دھوپ میں پھیلا دیئے۔

سرکار نامدارؐ نے بھی ایک طرف جا کر کپڑے پھیلا دیئے اور ایک درخت کے سائے میں تنہا آرام فرمانے لگے۔ دعثور کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ حضورؐ تنہا فلاں جگہ آرام فرما رہے ہیں دبے پاؤں آکر تلوار کھینچ کر حضورؐ کے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "اے محمدؐ آج میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

حضورؐ کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ

جواب دیا۔ "اللہ تعالیٰ"

دعثور بڑا بہادر اور جری شخص تھا مگر حضورؐ کے اس جواب سے اس پر دہشت طاری ہو گئی اور تھر تھر کانپنے لگا۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

حضورؐ نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمانے لگے "دعثور! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔؟"

دعثور نے کہا "کوئی نہیں" مگر حضورؐ نے اُسے معاف کر دیا۔ آپؐ کے اس برتاؤ کا یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم کو بھی مسلمان بنالیا۔ [۱]

---

[۱] حیات سید العرب ج ۱۔

غزوۂ اُحد

بدر کی شکست فاش سے کفارِ مکہ کے گھروں میں کہرام مچ رہا تھا، اور اُن کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال تک تیاریاں کرنے کے بعد وہ تین ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نکلے۔

اس مرتبہ اُن کے ساتھ اُن کی عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو لڑائی کے میدان میں غیرت دلائیں اور کچھ شاعر بھی تھے تاکہ اُن کے رشتہ داروں کے مرثیے سُنا سُنا کر اُن کے جوش کو بھڑکائیں۔

یہ لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کی وادی میں ایک چشمہ کے کنارے اُترا۔

۱۴؍شوال ۳ھ کو بعد نمازِ جمعہ، سرکارِ نامدار صلعم ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مگر تھوڑی دور ساتھ جا کر عبداللہ ابن اُبی منافقوں کا سردار اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا۔ اور صرف سات سو جاں نثار حضورؐ کے ساتھ رہ گئے۔

بچّوں کا شوق جہاد :-

مدینہ سے باہر آکر جب حضورؐ نے لشکر اسلام کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ نوعمر بچے بھی تھے۔ حضورؐ نے اُن کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور بہلا پھسلا کر واپسی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر بچّوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح واپس جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ رافع بن خدیج سے جب آپ نے واپس جانے کے لئے کہا تو وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ بڑے معلوم ہوں اور حضورؐ سے کہا "یا رسول اللہ میں تو بڑا تیر انداز ہوں"۔ حضورؐ نے رافع کو شرکت کی اجازت دیدی۔

سمرہ بن جندب بھی رافع کے ہم عمر تھے لیکن وہ لڑائی میں شرکت سے روک دئیے گئے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ جب آپ نے رافع کو اجازت دی ہے تو مجھے بھی دیجئے۔ میں تو ان کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "اچھا کشتی لڑو"۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا۔ اب حضورؐ نے سمرہ کو بھی اجازت دے دی۔[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲

جنگ :-

حضورؐ نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ پیچھے رکھ کر اپنی فوج کی صف بندی فرمائی۔ مگر چونکہ پہاڑ کے ایک درہ سے دشمنوں کے حملہ کا خوف تھا اس لئے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں ۵۰ تیراندازوں کی ایک جماعت درہ کی حفاظت کے لئے متعین فرمادی اور انہیں ہدایت کردی کہ خواہ ہم لوگ جیتیں یا ہاریں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

اس کے بعد دونوں طرف کی فوجیں آگے بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ کافر اگرچہ مسلمانوں سے کئی گنے تھے مگر مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لاسکے اور اپنا ساز وسامان چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ کے دستہ نے جب دیکھا کہ اُن کے ساتھی مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو وہ بھی درہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے انھیں روکنے کی کوشش بھی کی اور رسول اکرم صلعم کی ہدایت یاد دلائی مگر انھوں نے کہا کہ سرکارؐ کا یہ حکم تو لڑائی کے وقت کے لئے تھا اب لڑائی ختم ہو چکی ہم یہاں کھڑے ہو کر کیا کریں؟ خود عبداللہ بن جبیرؓ اپنی جگہ سے نہ ٹلے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔

فتح کے بعد شکست

خالد بن ولید (جو اس وقت کافروں کے ایک دستہ کے سردار تھے) نے جب دیکھا کہ مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں اور درہ کاراستہ خالی ہے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے درہ سے نکل کر مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ درہ کے محافظ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور اُن کے چند ساتھیوں نے مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو گئے اور گھبراہٹ میں آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سرکار نامدارؐ شہید ہو گئے۔ اس خبر سے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور مسلمانوں کی فوج میں سخت ابتری پھیل گئی۔

مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور سرکار نامدار کے ساتھ چند فداکاروں کی جماعت رہ گئی۔ کافر موقع دیکھ کر آپ کی طرف بڑھے اور پے در پے حملے کرنے شروع کر دیئے مگر ساتھیوں نے آپ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ ایک ماہر تیر انداز تھے انھوں نے کافروں پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ ترکش خالی کر دیئے۔ آپ تیر پھینکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے یارسول اللہ میرے ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں

جب تک میرا سینہ موجود ہے آپ پر کسی کافر کا تیر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ابو دُجانہؓ اپنی پشت کافروں کی طرف کر کے، جھک کر کھڑے ہو گئے تاکہ جو تیر آئے وہ آپ کی پشت پر پڑے اور حضورؐ تک نہ پہنچے۔

حضرت زیادہ بن حارثؓ بھی حضورؐ کی حفاظت میں لڑ رہے تھے یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضورؐ نے فرمایا انھیں میرے پاس لاؤ اور قدم مبارک پر اُن کا سر رکھ لیا اور اسی حالت میں اُنھوں نے جان دیدی۔

حضرت طلحہؓ بھی حضورؐ کی مدافعت کر رہے تھے۔ لڑائی کے بعد جب گِنا گیا تو اُن کے جسم پر ستّر سے زیادہ زخموں کے نشان تھے[1]

ابو عامر راہب ایک کافر نے ایک گڑھا کھود کر اسے ڈھک دیا تھا حضورؐ کا قدم مبارک اس پر پڑا تو آپ اس میں گر گئے اور بیہوش ہو گئے گرنے سے حضورؐ کے گھٹنے چھِل گئے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اس میں سے نکالا۔ مگر جونہی آپ باہر نکلے ایک کافر نے آپ کے رُخ انور پر پتھر مارا جس سے دندان مبارک شہید ہو گئے اور ایک دوسرے کافر نے آپ پر تلوار کے کئی وار کئے جس سے حضورؐ کی خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے۔

بعض جاں نثاروں نے خدا کے حبیبؐ کو خون میں تر اور دیکھا تو بے چین ہو گئے۔ کہنے لگے، یا رسول اللہ! اب کس بات کا انتظار ہے؟ اب تو کافروں کے لئے بد دعا کیجئے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا میں مخلوق

---

[1] نور الیقین ۱۲

کو خدا کی رحمت سے دور کرنے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ سرتاپا رحمت بن کر آیا ہوں اور پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔ [1]

اسی حالت میں کعب بن مالک انصاری کی نگاہ آپ پر جا پڑی تو انھوں نے چیخ کر کہا مسلمانوں مژدہ ہو کہ سرکار نامدارؐ زندہ ہیں۔

یہ خبر سُن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ہر طرف سے رسول اللہ صلعم کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہ صلعم کچھ صحابہ کو اپنے ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ سب مسلمانوں کو حضورؐ کے زندہ سلامت ہونے کا علم ہو جائے۔

حضورؐ کو پہاڑ پر چڑھتے دیکھ کر دشمن بھی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ مگر حضرت عمرؓ نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص ابی ابن خلف جوش میں چیخ کر کہنے لگا کہ میں آج محمدؐ کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حضورؐ نے صحابہ سے کہا کہ اسے آنے دو، جب پاس آیا تو آپؐ نے اُس کے ایک نیزہ مارا جس سے اُس کے کاری زخم لگا اور وہ مکہ کو جاتے ہوئے راستہ ہی میں مر گیا۔ یہی وہ بدنصیب تھا جسے سرکار نامدارؐ نے اپنے ہاتھ سے مارا ورنہ حضورؐ نے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارنا پسند نہ کیا۔

حضور پُر نورؐ کی شہادت کی خبر مدینہ بھی پہنچ گئی تھی۔ اس لئے بہت

---

[1] محمد رسول اللہ

سی عورتیں گھبرا کر گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ نے پانی ڈالا اور انھوں نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک سے خون دھو کر چٹائی کی راکھ زخم میں بھر دی۔

اس طرح یہ لڑائی جس میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی تھی، چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے جنھوں نے حضورؐ کے حکم کی پورے طور پر تعمیل نہ کی اور اپنے افسر کے کہنے کو نہ مانا، شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اس لڑائی میں ۲۳ کافر مارے گئے اور ستّر مسلمان شہید ہوئے جن میں سرکارؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے۔ آپ کی شہادت کا رسول اللہ صلعم کو بہت رنج ہوا۔ ایک تو وہ آپؐ کے شفیق چچا تھے اور دوسرے کافروں نے آپکی لاش کا بُری طرح تیا پانچا کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے پہلے آپ کے ناک اور کان جسم سے جُدا کیے اور پھر پیٹ چاک کر کے جگر چبا ڈالا۔

غزوۂ حمراء الاسد

مدینہ میں پہنچکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ کہیں مشرکین اپنی فتح کے جوش میں مدینہ پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے آپ نے صحابہ کو کوچ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ یہ زخمی شیر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر کے بے تکلف راہِ خدا میں جان دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مقام حمراء الاسد میں جاکر قیام کیا۔

سرکارؐ کا خیال صحیح تھا، کفارِ مکہ مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے لوٹ رہے تھے، ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمان کل کی شکست سے دل شکستہ اور زخمی بدن پڑے ہوں گے وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خود کافروں کا پیچھا کرنے کے لئے مدینہ سے نکل چکے ہیں تو انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ سیدھے مکہ واپس چلے جائیں اور اپنی فتح کو شکست سے نہ بدلیں۔ چنانچہ وہ مکہ واپس چلے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور اُنکے ساتھیوں کی قربانی

صفر ۳ھ کا واقعہ ہے کہ قبیلہ خزیمہ کے چند آدمی حضور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہماری قوم کے کچھ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں آپ چند صحابیوں کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ انہیں قرآن سکھادیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت انصاریؓ کو سردار بنا کر چند صحابی ان کے ساتھ کر دیئے۔

جب مقام رجیع میں پہنچے تو ان لوگوں نے صحابہ سے غداری کی اور سفیان بن خالد ہذلی (جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تھا)، کی قوم ہُذیل کو خبر دے کر اُن کے دو سو آدمی بُلوا لیئے۔

صحابہ کی جماعت کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کے پکڑنے کے لئے قبیلہ ہُذیل کے آدمی آ گئے ہیں تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے اُن سے قسمیں کھا کر کہا کہ تم لوگ نیچے اُتر آؤ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

مسلمانوں میں سے تین آدمی تو اُن کے دھوکے میں آ گئے جنہیں اُنھوں نے پکڑ کر قید کر لیا۔ اور باقی لڑ کر شہید ہو گئے۔

جو تین مسلمان کافروں کے ہاتھوں میں قید ہو گئے تھے اُن میں سے ایک نے تو راستہ میں موقع پا کر مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور باقی دو حضرات خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو کافروں نے مکہ لا کر قریش کے ہاتھ بیچ دیا

حضرت خبیبؓ "ماویہ" نام ایک عورت کے گھر میں قید تھے وہ کہتی ہے کہ جب خبیب پچھلی رات کو قرآن مجید پڑھتے تو پاس پڑوس کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور بے اختیار رونے لگتیں۔

رسول اللہؐ سے محبّت کی شان:۔

کچھ عرصہ بعد جب اشہرِ حُرُم (وہ مہینے جن میں کشت و خون کو جائز نہیں سمجھا جاتا) گزر گئے تو حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کے لئے مکّہ سے باہر ایک میدان میں لے گئے۔ شہادت سے پہلے انھوں نے کافروں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ نماز پڑھی اور کچھ دیر دعا مانگی پھر فرمانے لگے اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر لگا رہا ہوں تو کچھ دیر اور دعا مانگتا۔ یہ فرما کر آپ اُٹھے اور ہنسی خوشی سولی پر چڑھ گئے۔

جب آپ شہید کئے جانے لگے تو چند کافروں نے کہا اے خبیبؓ اگر تم بچ جاؤ اور تمہاری جگہ محمدؐ قتل کئے جائیں تو کیا تم اسے پسند نہ کرو گے۔

حضرت خبیبؓ نے جواب دیا۔ لاحول ولا قوۃ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ کے پاؤں میں کانٹا چبھنا، اپنی گردن پر چھری چلنے سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سُن کر سب کافر حیران رہ گئے اور ابو سفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) یہ جواب سُن کر کہنے لگے، میں نے کسی شخص کے ساتھیوں کو اس سے اتنا محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا محمدؐ کے ساتھیوں کو

اُن سے محبّت کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو کافروں کے نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں شہید کر دیا گیا۔ جس وقت آپکی روح پرواز کر رہی تھی زبان پر یہ اشعار تھے

جب میں دین اسلام پر مر رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ میں راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو وہ قطع کئے ہوئے ہر ہر عضو پر اپنی برکت نازل فرماسکتا ہے۔

حضرت خبیبؓ کی طرح حضرت زید کو بھی شہید کر دیا گیا۔ اور آپ سے بھی اسی قسم کے سوال وجواب ہوئے۔ ؎

؎ محمد رسول اللہ۔

غزوۂ خندق

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے یہودی قبیلے مسلمانوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کا عروج و ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مگر سرکارِ نامدارؐ نے مصلحتِ وقت سمجھ کر مدینہ آتے ہی اُن سے معاہدے کر لئے تھے مگر یہودی اپنے دل کے جلاپے سے مجبور تھے، معاہدے ہو جانے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفتوں کا کوئی موقعہ چھوڑتے نہ تھے۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر شہید کرنے کی سازش کی لیکن خداوندِ تبارک و تعالےٰ نے حضورؐ کو آگاہ کر دیا اور آپ اس سازش کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئے۔

بنی نضیر کی اس حرکت کی سزا دینے کے لئے حضورؐ نے ان پر فوج کشی کی۔ یہودی قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب دو ہفتے گزر گئے تو انھوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ انہیں مدینہ چھوڑ کر نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نے اجازت دیدی۔ اور یہ لوگ کچھ خیبر میں جا بسے اور کچھ ملک شام میں آباد

ہو گئے۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور انھوں نے طے کر لیا کہ مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ اُن کے چند سردار مکّہ پہونچے اور کفّارِ مکّہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر قبیلۂ غطفان کے پاس پہونچے اور انھیں بھی ساتھ ملایا۔ اور آخر میں قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی بھی جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا اُن کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح یہود اور مشرکین کا ۲۴ ہزار کا زبردست لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ ہوا۔

مسلمان تعداد میں بہت کم تھے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے نواح میں جس طرف سے دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی لشکر اسلام کے سب سپاہی پھاوڑے لے کر جُٹ گئے اور پانچ ہاتھ گہری خندق کھود لی گئی۔ پھر مدینہ سے نکل کر، خندق سے ورے تین ہزار مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کر لیں۔

عرب والوں کے لئے خندق ایک نئی چیز تھی۔ کافروں کو مسلمانوں کی اس تدبیر پر بڑا تعجب ہوا۔ دست بدست لڑائی تو ہو نہ سکتی تھی۔ اس لئے تیر اندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔

یہ مقابلہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ کافروں نے کوشش کی کہ کسی

طرح خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ ایک دن قریش کے چند جوشیلے نوجوان گھوڑے دوڑاتے ہوئے خندق کو پار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے مگر اُن میں سے ایک شخص جو خندق کو پار کر گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک خندق میں گر کر مر گیا باقی بھاگ گئے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے، کافروں کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ ۲۴ ہزار کے لشکر کے لئے کھانے پینے کا انتظام آسان نہ تھا۔ ایک طرف کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا اور اُن کے جانور بھوکے مرے جا رہے تھے دوسری طرف خداوند تعالےٰ نے آندھیوں کے جھکڑ چلا دیئے جس سے اُن کے خیموں کی چوبیں اُکھڑی جاتی تھیں اور چولھوں پر ہانڈیاں اوندھی ہوئی جاتی تھیں، اسی دوران میں غطفان کے ایک معزز سردار "نعیم بن مسعود" مسلمان ہو گئے اور اُن کی تدبیر سے کافروں کے جتھوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ ان ناموافق حالات سے مجبور ہو کر کافروں کی جماعتوں نے ناکام اپنے گھروں کا رُخ کیا اور خداوند تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس سخت آزمائش سے نجات دی۔ یہ واقعہ شوال ۵ھ کا ہے۔

بنی قریظہ کی بدعہدی کی سزا

اس لڑائی سے فارغ ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فوراً بنی قریظہ کی بستی کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ یوں تو یہ لوگ کئی مرتبہ عہد شکنی کر چکے تھے۔ مگر غزوہ خندق کے نازک موقعہ پر جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھے ان لوگوں نے دشمنوں کا ساتھ دے کر اپنا اعتبار بالکل کھو دیا تھا اور اب وہ کسی رعایت کے مستحق نہ تھے۔

لشکر اسلام نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا اور یہ لوگ قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب ۲۵ دن اسی طرح گذر گئے اور بھوک کے مارے دم نکلنے لگا تو انھوں نے مجبوراً خود کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ اور درخواست کی کہ بنی نضیر کی طرح انھیں بھی کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی اجازت دی جائے مگر سرکار نامدار نے منظور نہ کیا۔ پھر انھوں نے درخواست کی کہ اُن کے معاملہ کا فیصلہ سردار اوس حضرت سعد بن معاذ رضؓ کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ حضورؐ نے یہ منظور فرما لیا۔

حضرت سعد بن معاذ رضؓ اُن کے پرانے حلیف تھے، انہیں خیال تھا کہ سعد جہاں تک ممکن ہو گا ہمارے ساتھ رعایت و مروت کریں گے اور پرانے تعلقات کا خیال رکھیں گے۔ مگر صحابۂ کرام کی نگاہوں میں اسلام کے فائدہ کے مقابلہ میں تعلقات اور رشتہ داری کوئی چیز نہ تھی اس لئے انھوں نے فیصلہ دیا

کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر جتنے مرد ہیں قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ سب بنی قریظہ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ [1]

حضرت صفیہؓ کی بہادری:۔

جنگ خندق کے زمانہ میں ایک مسلمان خاتون کی ہمت اور بہادری کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ خاتون ہمارے رسول صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہ ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ جنگ کے زمانہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے حضرت حسان بن ثابتؓ (جو سرکار کے درباری شاعر تھے) کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے تھے۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کا چکر لگا رہا ہے اور کچھ تاؤ بھاؤ لے رہا ہے۔ قرینہ سے انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی جاسوس ہے۔ حضرت حسانؓ سے کہنے لگیں:۔ حسان! ذرا اس یہودی کو تو جا کر قتل کر دو۔ حضرت حسانؓ زبان کے مجاہد تھے ہاتھ کے مجاہد نہ تھے۔ جواب دیا۔ صفیہ تم تو جانتی ہو کہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ یہ جواب پا کر حضرت صفیہؓ ایک لاٹھی لیکر خود روانہ ہو گئیں اور پاس پہنچکر اس زور سے یہودی کے سر پر رسید کی کہ اس کا بھیجا نکل گیا واپس آکر حضرت حسان سے پھر کہا۔ حسان! میں عورت ذات ہوں غیر مرد کا بدن نہیں چھو سکتی ذرا اس کافر کے ہتھیار تو اتار لاؤ۔ حضرت حسانؓ بولے اے عبد المطلب کی بیٹی مجھے ہتھیاروں کا کیا کرنا ہے۔ یہ جواب سُنکر حضرت صفیہؓ پھر گئیں اور اس یہودی کے ہتھیار اتار لائیں اور اس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔ [2]

---

[1] حیات سید العرب ۱۲۔ [2] محمد رسول اللہ ۱۲

صلح حدیبیہ

ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ نبیوں کا خواب بھی ایک قسم کی وحی الٰہی ہوتی ہے۔ اس لئے آپ نے اسے غیبی اشارہ سمجھ کر عمرہ (زیارت خانہ کعبہ) کی تیاری شروع کر دی اور عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانی کے اونٹ لے کر ۱۵۰۰ انصار و مہاجرین کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور مکہ کے قریب "حدیبیہ" میں جا کر اترے۔

قریش کو جب حضور کے تشریف لانے کی خبر ملی تو انھوں نے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اور بدیل بن ورقا خزاعی کو حضورؐ کے پاس، آنے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا حضورؐ نے جو مقصد تھا وہ بیان کر دیا، چنانچہ بدیل نے قریش سے آکر کہدیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں جنگ کے ارادہ سے نہیں۔

قریش نے بدیل کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور دوبارہ احابیش کے سردار حلیس علقمہ کو بھیجا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمان احرام کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور قربانی کی اونٹنیاں بھی ان کے ساتھ ہیں تو قریش سے

جاکر سارا حال بیان کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں ہے یہ عمرہ کرنے آئے ہیں۔ کیا غضب ہے کہ دنیا بھر کے لوگ حج کر سکیں اور عبد المطلب کی اولاد کو اس کی اجازت نہ دی جائے مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی۔

تاجدار مدینہؐ کی عظمت:۔

پھر انھوں نے عروہ بن مسعود سردار طائف کو حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کا بھی اندازہ لگائے اور اگر ممکن ہو تو کسی طرح انہیں واپسی پر رضا مند کرے۔ عروہ نے حضورؐ سے کہا اے محمدؐ تم ان لوگوں کو لے کر اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو۔ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھی قریش کے حملہ کی تاب نہ لاکر تمہیں چھوڑ بھاگیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ سُنکر غصہ آگیا اور اُن سے جھڑپ ہوگئی۔

عروہ نے واپس جاکر قریش سے کہا۔ اے قوم میں قیصر اور کسریٰ کے درباروں میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں مگر جو شان میں نے محمدؐ کی دیکھی وہ کسی بادشاہ کی نہ دیکھی۔ اُن کے ساتھی اُن کے وضو کے پانی کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ادب کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے اور اُن کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے۔ تمہارے لیئے بہتر یہی ہے کہ تم اُن سے نہ اُلجھو اور جس مقصد کے لئے آئے

ہیں اُسے پورا کر لینے دو۔[1]

بیعت رضوان :-

اب رسول اکرم صلعم نے بھی حضرت عثمان بن عفانؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا تاکہ قریش کو رسول اللہ صلعم کے تشریف لانے کا مقصد بتا دیں اور انہیں عمرہ میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھیں مگر قریش نہ مانے اور حضرت عثمان کو نظر بند کر دیا جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے اس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ اب ہم بغیر جنگ کئے نہ لوٹیں گے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اس وعدہ کو "بیعت رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا وند تعالےٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا

صُلح :-

اس واقعہ کی خبر جب مکہ پہنچی تو قریش ڈر گئے، اُنھوں نے حضرت عثمان اور اُن کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور سہیل بن عمرو کو اپنی طرف سے صلح کا پیغام دیکر بھیجا۔ رسول اکرم صلعم کا ارادہ لڑائی کا پہلے ہی نہ تھا۔ اس لئے مختصر گفتگو کے بعد ان شرطوں پر صلح ہو گئی

(۱) دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہوگی۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

(۲) جو قبیلہ مسلمانوں سے معاہدہ کرنا چاہے ان سے معاہدہ کرے اور جو قریش سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے۔

(۳) اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس کرنا ہوگا لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

(۴) اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جائیں۔ آئندہ سال آئیں مگر سوائے تلوار کے جو میان میں ہوگی کوئی ہتھیار نہ لائیں، تین دن مکہ میں رہیں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں

ان شرطوں میں سے تیسری شرط مسلمانوں کو ناگوار گذری چنانچہ بعض صحابہ نے حضورؐ سے اس ناگواری کا اظہار بھی کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں جا ملے گا اس کا دور رہ جانا ہی بہتر ہے اور جو انہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا اور ہم اُسے لوٹا دیں گے تو خدا اُس کے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی دے گا۔

صُلح کے بعد مسلمانوں نے اپنے بال ترشوائے، احرام کے کپڑے اتارے اور قربانیاں کیں اور مدینہ کو واپس ہو گئے۔

فتح یا شکست :-

یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمان اس صلح کی شرطوں کو پسند نہ کرتے تھے اور انہیں اپنی کمزوری سمجھتے تھے۔ چنانچہ صلح نامہ کی تکمیل ہو جانے کے

بعد بھی احرام کھولنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود حضورؐ نے اپنا احرام نہ کھول دیا۔ مگر خداوند تعالےٰ نے اس صلح کو "فتح" کا نام دیا اور در اصل یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی۔ اب تک کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور اُن کے مذہب کو سمجھنے اور اُن کے اخلاق کو پرکھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اب جو صلح ہوئی اور کافر مدینہ میں آزادانہ آنے جانے لگے تو انہیں یہ موقع ملا۔ اور وہ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر خود بخود مسلمان ہونے لگے۔ دوسرے قریش کی طرف سے اطمینان اور راستوں میں امن ہو جانے کی وجہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کا پیغام پہونچانے کا موقع ملا۔ چنانچہ سرکار نامدار نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے جن میں سے کئی خوش نصیب بادشاہوں نے سرور عالمؐ کی غلامی قبول کی اور اس طرح اسلام کی قوت و عظمت میں کافی اضافہ ہوگیا۔

بادشاہوں کے نام خطوط

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا بلاوا دینے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اپنے نام مبارک کی ایک مہر بنوائی۔ یہ مہر چاندی کی تھی اور اس پر محمد رسول اللہ کھدا ہوا تھا۔ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبارت اس طرح تھی کہ نیچے کی سطر میں "محمد" درمیانی سطر میں "رسول" اور اوپر کی سطر میں "اللہ" حال ہی میں حضور پُر نورؐ کا ایک فرمان ملا ہے اس سے حدیثوں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔[1]

جب آپ کسی بادشاہ کو خط بھیجتے تو یہ مہر لگا دیا کرتے تھے۔

شہنشاہ رُوم کے نام:-

حضور پر نورؐ نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ شہنشاہ روم کے پاس دعوتِ اسلام کا خط بھیجا۔ شہنشاہ اس زمانہ میں زیارت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ حضرت دحیہؓ نے وہیں اس خط کو پہنچایا۔

اسی زمانہ میں قریش کا ایک گروہ، ابوسفیان کی سرداری میں، تجارت کے لئے ملک شام آیا ہوا تھا۔ شہنشاہ نے ان لوگوں کو دربار میں بلا کر حضورؐ کے متعلق اُن سے کچھ سوالات کئے۔ ابوسفیان اگرچہ اس وقت تک مسلمان

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

نہ ہوئے تھے مگر اُن کے جوابات سے قیصر کو حضورؐ کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ اس نے بھرے دربار میں کہا مجھے یقین ہے کہ محمدؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہونگے۔ اے اہل عرب! اگر تمہارے یہ جوابات صحیح ہیں تو میں بتاتا ہوں کہ ان کا دین ترقی کرے گا اور وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اگر میں اُن کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو ضرور حاضر ہوتا۔

قیصر کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر اُس کے درباری مخالفانہ نعرے لگانے لگے اور وہ اس وقت خاموش ہو گیا۔

پھر جب وہ "حمص" پہونچا تو اُس نے سرداران روم کو اپنے محل میں جمع کیا جب سب جمع ہو گئے تو دروازے بند کرا دیئے اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا:۔

اے روم کے سردارو! اگر تم ہدایت اور کامیابی چاہتے ہو، اور اپنی سلطنت کی پائداری چاہتے ہو تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم نبی عربیؐ کا دین قبول کر لو۔

قیصر کی زبان سے یہ لفظ سُن کر سردار جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ لیکن دروازے پہلے ہی بند تھے اس لئے نکل نہ سکے۔

قیصر نے جب اپنے سرداروں کی نفرت کا یہ حال دیکھا تو اُسے سلطنت کے ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہوا اور اُس نے اپنی بات کو پلیٹ دیا اور کہنے لگا۔

اے سردارو! تم میری بات کو سچ سمجھنے لگے، میں تو اپنے مذہب پر تمہاری

پختگی کا امتحان کرتا تھا۔ ؎۱

شہنشاہ ایران کے نام:۔

عبداللہ بن حذافہ، شہنشاہ ایران کے پاس حضورؐ کا خط لے کر گئے۔ اس مغرور نے حضورؐ کا خط پرزے پرزے کر دیا۔ جب حضورؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے اس کی سلطنت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ حضورؐ کا کہنا سچ ہوا ایران کی یہ عظیم سلطنت بہت جلد دنیا کے نقشہ سے مٹ گئی۔

اس گستاخ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوّت کا دعوےٰ کیا ہے اُسے پکڑ کر میرے پاس بھیجدو! باذان نے اس مقصد کے لئے حضورؐ کے پاس دو آدمی بھیجے۔ جب یہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں پہونچے تو آپؐ نے اُن سے فرمایا۔ باذان سے کہدو کہ تمہارا شہنشاہ تو مارا گیا باذان کے آدمی جواب لے کر لوٹ آئے۔ ادھر باذان کے پاس یہ آدمی پہونچے ادھر نئے بادشاہ "شیرویہ" کا قاصد خط لے کر پہونچا جس کا مضمون یہ تھا۔

ہم نے اپنے باپ پرویز کو اس کے ظلموں کی وجہ سے قتل کر دیا ہے اب تم اپنے ملک میں میری بیعت لو۔ اور جن صاحب کو میرے باپ نے حجاز سے بلوایا تھا اُن سے تعرض نہ کرو۔

باذان نے حضورؐ کے اس کھُلے معجزے کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا اور اُس کی تمام قوم بھی مسلمان ہو گئی۔ ؎۲

؎۱ نور الیقین ۱۲ ؎۲ محمد رسول اللہ ۱۲

شاہ حبش کے نام :-

حضور پُر نور نے عمرو بن امیہ الضمری کے ہاتھ نجاشی شاہِ حبش کے نام خط بھیجا۔ نجاشی کو مہاجرین حبش کے ذریعہ پہلے ہی اسلام کی خوبیاں معلوم ہو چکی تھیں حضور کے نامۂ مبارک کی تعظیم کے لئے وہ تخت سے نیچے اُتر آیا۔ اور ادب سے لے کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔

اُس نے اپنے بیٹے "ارہا بن اصحم" کو بھی حضور کی خدمت میں ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور کہلا بھیجا یا رسول اللہ اگر میں حاضر ہو سکتا تو خود حاضر ہوتا۔

نجاشی کا جب انتقال ہوا تو خداوند تعالےٰ نے درمیانی پردے اُٹھا دیئے اور سرکار نامدار نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی [۵۱]

شاہ مصر کے نام :-

سرکار نامدار نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس شاہِ مصر کے پاس خط دیکر بھیجا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہیں کیا۔ لیکن آپ کے نامۂ مبارک کی بڑی تعظیم کی۔ اسے سینہ سے لگا کر ہاتھی دانت کی ڈبیا میں محفوظ کر دیا [۵۲]۔ اور حضور کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف بھیجے جن میں کئی باندیاں، غلام، چوپائے،

---

۵۱ محمد رسول اللہ ۱۲ ۵۲ حضور کا یہ نامہ مبارک ایک فرانسیسی عالم کو مصر کے ایک گرجا میں دستیاب ہوا۔ چنانچہ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے (محمد ص ۳۳۸) ۱۲۔

اور دوسری قیمتی اشیار شامل تھیں ۔ ان کے علاوہ ایک حکیم صاحب بھی تھے حضورؐ نے تمام تحفے قبول فرمالئے مگر حکیم کو یہ کہہ کر واپس فرمادیا کہ ہم لوگ خوب بھوک لگنے پر کھاتے ہیں اور جب کچھ بھوک باقی رہتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں اس لئے ہمیں حکیم صاحب کی ضرورت نہیں ۔

مقوقس نے جو باندیاں بھیجی تھیں ان میں ماریہ قبطیہؓ بھی تھیں انہیں رسول اکرم صلعم نے اپنے لئے پسند فرمالیا اور انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے ۔

دوسرے بادشاہوں کے نام :۔

ان کے علاوہ حضور پرنورؐ نے امیر بُصریٰ ۔ امیر دمشق، شاہ بحرین، شاہان عمان، شاہ یمامہ، اور دوسرے بادشاہانِ عالم کے نام بھی دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے ۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض نے نہیں جن بادشاہوں نے اسلام قبول کیا اُن کے ملکوں میں تو اسلام پھیلا ہی مگر جن بادشاہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اُن کے ملکوں میں بھی اسلام کا چرچا ضرور ہو گیا اور دعوتی خط بھیجنے سے حضور کا مقصد یہی تھا ۔

غزوۂ خیبر

۷ھ میں صلح حدیبیہ سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی یہ وہی لوگ تھے جو غزوہ خندق میں عرب قبیلوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف انہیں اُبھارتے رہتے تھے۔

حضورؐ ایک ہزار چھ سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب قلعے فتح کر لئے۔ مسلمانوں سے مغلوب ہو کر یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم آدھی پیداوار بطور خراج دیا کریں گے۔ ہمیں یہاں رہنے دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور فرمالیا مگر یہ شرط ٹھہرالی کہ جب ہم کہیں گے تمہیں یہاں سے چلا جانا ہوگا۔

اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بہت بہادری دکھائی آپ کا مقابلہ یہود کے مشہور بہادر مرحب سے ہوا۔ مرحب لڑائی کے تمام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر بڑے غرور کے ساتھ نکلا اور حضرت علیؓ پر نیزہ سے حملہ کیا حضرت علی کے ہاتھ سے ڈھال چھوٹ کر دور جا پڑی۔ پاس ہی ایک دروازہ پڑا تھا حضرت علیؓ نے فوراً اسے اُٹھالیا اور اس پر مرحب کے حملوں کو روک کر اس

زور سے اس پر تلوار کا وار کیا کہ پہلے اس کی ڈھال کو توڑا پھر اُس کے خود کو توڑکر اس کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑا دیئے [1]

حضورؐ کی شانِ عفو :-

اسی لڑائی میں مرحب کی بہن زینب نے رسول اکرم صلعم کو زہر آلود گوشت بھیجا۔ رسول اکرم صلعم نے صرف ایک بوٹی کھا کر تھوک دی۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشرؓ بن برار جنھوں نے اسے کھا لیا تھا انتقال کر گئے۔

زینب جب پکڑی ہوئی آئی اور حضورؐ نے اس سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی۔ میں نے آپ کو آزمانے کے لئے یہ حرکت کی تھی۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ آپ نبی ہونگے تو آپ کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اور اگر نبی نہ ہونگے تو ہم آپ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ حضورؐ نے یہ جواب سُنکر اُسے معاف فرما دیا۔

تین سردارانِ مکّہ کا قبول اسلام :-

صلح حدیبیہ کے بعد ہی مکّہ کے تین بہادر اور معزز سردار جو رسول اکرم صلعم کے مقابلہ میں کافروں کے لشکر کی سالاری کی خدمت انجام دیتے رہے تھے مسلمان ہوئے۔ یہ سردار خالد بن ولید مخزومی۔ عمروبن عاص اور عثمان بن ابی طلحہ ہیں۔ حضورؐ کو ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپ نے حضرت

---

[1] محمد رسول اللہؐ ۱۲

خالدؓ سے فرمایا مجھے تمہاری دانائی سے یہی اُمید تھی کہ تم بھلائی قبول کر کے رہو گے حضرت خالدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ میرے اُن لڑائیوں کے گناہ معاف کرے جن میں آپ کے خلاف لڑا ہوں۔ آپ نے جواب دیا اسلام میں داخل ہونے کے بعد پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[1]

عمرہ قضا:-

سنہ ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے اگلے سال رسول اکرم صلعم اپنے پچھلے سال کے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کی قضا کے لئے نکلے۔

شرطِ صلح کے مطابق مسلمانوں نے اپنے ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیئے اور صرف ایک تلوار باندھ کر حرم میں داخل ہوئے۔ کافر اس دوران میں مکہ سے باہر نکل گئے۔ اس طرح خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی کے خواب کو سچا کر دکھایا۔

سریہ موتہ:-

رسول اکرم صلعم نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغ اسلام کے لئے جو خطوط بھیجے تھے اُن میں ایک امیر بُصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی تھا۔ اس ظالم نے حارث بن عمیر کو (جو خط لے کر گئے تھے) قتل کر ڈالا۔ حضورؐ نے حارث کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار صحابہ کا ایک لشکر حضرت زید

---

[1] نور الیقین ۱۲۔

بن حارثہؓ کی سرداری میں روانہ کیا۔ اس لشکر کو روانہ کرتے وقت آپ نے جو ہدایتیں فرمائیں وہ آج کل کے مہذّب سپہ سالاروں کے لئے سبق حاصل کرنے کے قابل ہیں۔

آپ نے فرمایا :- ملک شام میں تم کچھ لوگوں کو گرجاؤں میں گوشہ نشین پاؤگے، تم اُن سے نہ اُلجھنا۔

کسی عورت کو قتل نہ کرنا

کسی بچّہ پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔

کسی بوڑھے کو نہ ستانا۔

کسی درخت کو نہ کاٹنا۔

جب لشکرِ اسلام ملک شام میں، مقام "موتہ" میں پہنچا تو وہاں دولاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ سردار لشکر حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سردار بنائے گئے۔ حضرت جعفرؓ نے بڑی بہادری دکھائی۔ لڑتے لڑتے جب ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں اسلامی جھنڈا اُٹھا لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو گود میں لے لیا اور اسی حال میں شہادت پائی۔ اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ سردار بنائے گئے لیکن اُنھوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر حضرت خالد بن ولید اسلامی لشکر کے سردار بنائے گئے۔ آپ نے اپنی جنگی تدابیر سے عیسائیوں کو شکست دی اور اسلامی لشکر کو کامیاب لوٹا لائے۔

لشکر کے واپس آنے سے قبل ہی خداوند تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر دیدی۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا۔

پہلے زیدؓ نے جھنڈا اٹھایا اور شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہؓ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر "خدا کی ایک تلوار" نے جھنڈے کو بلند کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔[لہ]

یہ واقعہ سنہ ۸ھ کا ہے۔

لہ نورالیقین ۱۲

فتح مکہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان "حدیبیہ" کے مقام پر جو صلح ہوئی تھی وہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور جب انھوں نے خاص حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی انہیں نہ چھوڑا اور بے دھڑک قتل کیا۔

" قبیلہ خزاعہ کے چند سردار حضورؐ کی خدمت میں شکایت لیکر پہنچے، اور مسلمانوں سے قریش کی اس زیادتی کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ چنانچہ رسول اکرم صلعم دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لشکر اسلام نے "مرالظہران" پہنچکر قیام کیا۔ قریش کو جب خبر ملی کہ مسلمان اُن کے سر پر آ پہنچے ہیں تو اُن کے سب سے بڑے سردار ابو سفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنگل انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور ساری فضا آگ کے شعلوں سے جگمگا رہی ہے۔ وہ اس قدر تعداد میں مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے اور ہکے بکے کھڑے رہ گئے۔

اسی حالت میں اسلامی لشکر کے پہرہ داروں نے انہیں دیکھ لیا۔

پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمرؓ فاروق نے ابوسفیان کی صورت دیکھتے ہی تلوار میان سے نکال لی اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ آج اس خدا کے دشمن کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر رحمت عالم صلعم نے انہیں معاف فرما دیا۔

رات بھر ابوسفیان حضرت عثمان کے خیمہ میں رہے۔ دوسرے دن صبح کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے محبت کے لہجہ میں پوچھا۔ ابوسفیان! کیا خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لانے میں اب بھی کچھ تامل ہے۔ ابوسفیان نے ندامت کے ساتھ گردن جھکالی اور کہا نہیں یارسول اللہ آپ کے رحم و کرم کے قربان میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے[1]

مکّہ میں داخلہ:۔

آخرکار وہ وقت آگیا کہ "فتح مبین" کا خداوندی وعدہ پورا ہو۔ خدا کا وہ رسول جو کافروں کے نرغہ سے نکل کر، رات کی تاریکی میں، ایک رفیق کے ساتھ مکّہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا۔ دس ہزار فدائیوں کے جھرمٹ میں دوبارہ مکّہ میں داخل ہو رہا ہے۔ داخلہ کی شان یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے پیچھے، اپنا اپنا جھنڈا اٹھائے چلا آرہا تھا۔ سب سے پیچھے انصار و مہاجرین کے گروہ میں شہنشاہ مدینہ تشریف لا رہے تھے آپ اپنی سواری

---

[1] نورالیقین ۱۲

قصواء پر اپنے غلام حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ سوار تھے۔ آپ کی گردن رب العزت کی درگاہ میں جھکی ہوئی تھی اور آپ انکسار کے طور پر فرمارہے تھے اللھم ان العیش عیش الاخرۃ اے میرے اللہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے۔

۲۰ رمضان ۸ھ کو جمعہ کے دن۔ حضور پر نور مکہ کے بالائی حصہ سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ نے اعلان کرادیا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے وہ مامون ہے۔ جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے اور جو اپنے گھر میں دروازہ بند کرکے بیٹھ جائے اور مقابلہ نہ کرے وہ بھی مامون ہے۔ اسلامی لشکر کی یہ شان و شوکت دیکھ کر کفار مکہ پر رعب چھا گیا۔ سوائے چند لوگوں کے جن کا خالد بن ولیدؓ سے مقابلہ ہوا کوئی سامنے نہ آیا اور اس طرح مکہ نہایت امن و سکون کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

کعبہ کی صفائی:۔

سرورِ عالمؐ سیدھے خانہ کعبہ میں پہنچے اور حجر اسود کو بوسہ دے کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ لشکر اسلام نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور اس زور و شور سے کہ سارا مکہ گونج اٹھا۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ لگاتار نعرے بلند کئے جارہے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک نہ رکے جب تک خود سرکار نامدارؐ نے انہیں نہ روکا۔ اس کے بعد آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔

لے محمد رسول اللہ ۱۲

کعبہ کے چاروں طرف ٣٠٠ بُت رکھے تھے۔ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ایک لکڑی تھی۔ آپ اس سے ایک ایک بُت کو گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "سچائی کا ظہور ہوا" پھر آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے وہاں دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹوایا۔ جو بُت رکھے ہوئے تھے انہیں نکلوا دیا اور دو رکعت نماز ادا کی

رحمت عالم کی شانِ رحمت :۔

ان امور سے فارغ ہو کر حضورؐ صحن کعبہ میں تشریف فرما ہوئے اور صحابہ کرامؓ آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت کفار مکہ کے دل دھڑک رہے تھے اور قدم کانپ رہے تھے کہ دیکھئے آج ہمیں ہمارے کرتوتوں کی کیا سزا ملتی ہے۔

آپ نے کفار مکہ کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے قریش آج تم مجھ سے کس قسم کے برتاؤ کی اُمید رکھتے ہو؟ انھوں نے ایک زبان ہو کر کہا ہمیں آپ سے بھلے برتاؤ کی ہی اُمید ہے، آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ رحمتِ عالمؐ نے فرمایا جاؤ، تم سب آزاد ہو!

رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم و کرم کی یہ شان دیکھ کر کفار مکہ آپ کے قدموں میں گر پڑے اور قریب قریب تمام مکہ والے اسی دن مسلمان ہو گئے۔ ؎

ؔ نور الیقین ١٢

کافروں میں سے ایک شخص جب آپکی طرف بڑھا تو رعب سے اُس کے بدن پر لرزہ چھا گیا اور اُس کے قدم ڈگمگانے لگے۔ سرورِ عالمؐ نے درد بھرے لہجہ میں اس سے فرمایا۔ بھائی، ڈرو مت! میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں[۱]۔

فتح مکّہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے یہ لوگ قابل ذکر ہیں۔ ابوسفیان بن حرب، معاویہ بن ابی سفیان، حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ اور ابوسفیان بن الحارث۔

عہد کی پابندی:۔

جب مکّہ فتح ہوگیا تو انصار میں سے بعض کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب حضور اپنے وطن تشریف لے آئے ہیں اور آپ کے خاندان والے سب مسلمان ہو گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اب حضور ہمیں چھوڑ دیں اور یہیں قیام فرمالیں۔

انصار کے اس اندیشہ کی حضور کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں میری طرف سے کچھ اندیشہ ہے۔ پہلے تو انصار نے چھپانے کی کوشش کی مگر جب حضورؐ نے اصرار فرمایا تو انھوں نے کہہ دیا ہمیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ کہیں حضور اب اپنے خاندان میں قیام نہ فرمالیں۔ حضور نے فرمایا معاذ اللہ! کہیں یہ ہو سکتا ہے۔ میری زندگی اور موت تم لوگوں کے ساتھ ہے[۲]۔

---

[۱] دروس التاریخ ۱۲۰۔ [۲] حیاۃ سید العرب ۱۲

غزوۂ حنین

مکّہ اور طائف کے درمیان بنی ثقیف اور ہوازن کے دو قبیلے آباد تھے یہ بہت بہادر اور سرکش قبیلے تھے۔ جب انہیں "فتح مکّہ" کی خبر ملی تو بہت پریشان ہوئے۔ اُنھوں نے سوچا کہ اب تک تو محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم قریش سے مقابلہ کی وجہ سے ہماری طرف رُخ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ قریش سے فارغ ہو جانے کے بعد اب وہ ہماری خبر لیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی اُن پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنی پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔

رسول اکرم صلعم ابھی مکّہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کو جب ان کے اس ارادہ کی اطّلاع ملی تو بارہ ہزار کا لشکر لے کر آپ بھی اُن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار انصار و مہاجرین تھے، دو ہزار فتح مکّہ کے نومسلم اور اسّی کافر بھی تھے، جو مال غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

اس زبردست لشکر کی شان و شوکت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کو گھمنڈ پیدا ہوا اور اُن کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ اس لڑائی میں ہم نہیں ہار سکتے۔

جب یہ لشکر دشمن کے پڑاؤ کے پاس پہنچا۔ تو حضورؐ نے صف بندی فرمائی۔ پھر ایک دستہ کو دشمن کے مقابلہ کے لئے آگے روانہ کیا۔ جوں ہی مسلمانوں کا یہ دستہ آگے بڑھا، دشمن کی فوج کے سپاہیوں نے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے بیٹھے تھے اُن پر تیروں کی بوچھار برسانی شروع کر دی۔

مسلمانوں کا یہ دستہ اس خلاف توقع تیر باری سے پریشان ہو گیا۔ اور اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب پچھلے دستوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

سرکار نامدارؐ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آپؐ نے حضرت عباسؓ سے جن کی آواز بلند تھی فرمایا، لوگوں کو پکارو۔ آپ نے پکارنا شروع کیا۔ اے جماعتِ انصار، اے بیعت رضوان والو! کہاں جا رہے ہو۔ اس آواز کو سنتے ہی مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انھوں نے لوٹنا چاہا مگر اس بھگدڑ میں اُن کے اونٹ روکے نہ رُکے۔ آخر وہ اپنی تلواریں سونت کر اونٹوں کی پشت پر سے کود پڑے اور دوبارہ جمع ہو کر دشمن پر اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بنی ثقیف اور ہوازن، اپنی عورتوں، بچوں اور بیشمار مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دوسرا موقعہ تھا کہ لشکرِ اسلام میں شکست کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے اپنی تعداد کے

بھروسہ پر دشمن کی چالوں کی پروانہ کی ۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کے راستے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلے تھے ۔ بلکہ مال غنیمت حاصل کرنا ان کا مقصد تھا ۔ اس لئے اس لڑائی سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی صرف خدا کے واسطے ہونی چاہیئے اور انہیں اس راستہ میں صرف خدا ہی کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔

"حنین" میں شکست کھانے کے بعد دشمن کے کچھ آدمی طائف کی طرف بھاگ گئے ۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا ۔ یہ لوگ بہت سا کھانے پینے کا سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو بیٹھے ۔ مسلمان اٹھارہ دن تک انہیں گھیرے پڑے رہے ۔ مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا ۔ آخر رسول اکرم صلعم صحابہ کی رائے کے مطابق انہیں چھوڑ کر لوٹ آئے ۔ پھر کچھ مدت بعد یہ لوگ خود مدینہ حاضر ہو کر اسلام لے آئے ۔

ہمیں رسول اللہ کافی ہیں :۔

غزوۂ حنین میں دشمن بے شمار مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ گئے تھے رسول اکرم صلعم نے اس غنیمت کا زیادہ تر حصہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جو نئے مسلمان ہوئے تھے تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے ۔ انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ امتیاز اچھا نہ معلوم ہوا ۔ اور انھوں نے آپس میں کہا ۔ تعجب ہے کہ حضورؐ قریش کو تو مال غنیمت دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے ۔ حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خون سے رنگین ہیں ۔

کسی طرح حضور پُر نورؐ کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ آپ نے انھیں الگ ایک جگہ جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور کہا۔

"اے انصار! میں یہ کیا سُن رہا ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ تم لوگ تنگدست تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہیں آسودہ کیا۔ تم لوگ آپس میں دشمن تھے، خدا نے میرے ہاتھوں تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملایا۔ اب تم دنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر دل میں میل لاتے ہو اے انصار! تم لوگ تو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے۔ یہ قریش نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں نے اُن کا دل رکھنے کے لئے انہیں مال غنیمت دے دیا ہے۔ اے انصار کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم خدا کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے تو تم سے اتنی محبّت ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتا تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کرتے تو میں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔

رسول اکرمؐ کی یہ تقریر سُن کر انصار بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ اور پھر آنسو پونچھ کر کہنے لگے :۔ "ہمیں مال غنیمت کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے خدا اور اس کا رسولؐ کافی ہیں۵۰۔"

---

۵۰ نور الیقین ۱۲

مدینہ منورہ کو واپسی:۔

اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مقام "جعرانہ" سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ مکہ میں واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا پھر حضرت عتاب بن اسید کو جن کی عمر اگرچہ صرف ۲۰ سال کی تھی مگر نیکی اور پرہیزگاری میں خاص درجہ رکھتے تھے وہاں کا امیر مقرر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک

۹ھ کے درمیان میں رسول اکرم صلعم کو خبر ملی کہ شام کا عیسائی بادشاہ جس سے مقام "موتہ" میں مسلمانوں کا مقابلہ ہو چکا تھا، قیصر روم کی امداد سے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

یہ سال قحط کا تھا، اور موسم بھی بہت گرم تھا اور پھر سفر بھی بہت دور کا تھا۔ لیکن اسلام کے فدائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی تیار ہو گئے۔

عاشقانِ رسول کی مالی قربانیاں

بہت سے مسلمان ایسے تھے جن کے پاس سفر کا سامان نہ تھا اس لئے چندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضورؐ نے مالدار صحابہ کو اس نیک کام میں حصہ لینے کی دعوت دی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ معہ ساز و سامان کے اور پچاس گھوڑے پیش کئے جس وقت آپ نے یہ بھاری رقم حضور کی گود میں لا کر ڈالی تو حضورؐ خوش ہو کر اُسے اُلٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے

اور فرمایا" اے اللہ عثمانؓ سے راضی ہو کہ میں اس سے راضی ہوں "
حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال و متاع جس کی قیمت چالیس ہزار درہم تھی حضورؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ آپ نے پوچھا اے ابوبکر! تم نے اپنے بال بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ " اللہ اور رسول اُن کے لئے کافی ہیں " حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے، اسی طرح دوسرے دولتمند صحابہ عبدالرحمٰن بن عوف، عباس، و طلحہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں چندہ میں دیں مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ بہت سی بیبیوں نے اپنے زیور اُتار کر حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ ؎۱

جب اس طرح لشکر کا ساز و سامان مکمّل ہو گیا۔ تو حضورؐ تیس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ منافقین کی جماعت اس لشکر میں شریک نہیں ہوئی۔ بلکہ اُنھوں نے دوسرے لوگوں کو بھی بہکانے کی کوشش کی اور اُن سے کہا کہ اس گرمی میں مت جاؤ، خداوند تعالےٰ نے رسول اللہ صلعم کو وحی بھیجی کہ ان منافقوں سے کہدو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے رسول اکرم صلعم نے حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں خاندان کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا اور اس سب سے بڑے اسلامی لشکر کا جھنڈا جو رسول اکرم صلعم کے ساتھ سب سے آخری لڑائی لڑنے کے لئے نکلا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا۔ ؎۲

؎۱ نورالیقین و محمد رسول اللہ ۱۲ ؎۲ نورالیقین ۱۲

مقام تبوک (جو مدینہ سے ۱۴ منزل جانب دمشق ہے) میں پہنچکر حضورؐ نے قیام فرمایا۔ مگر غسانی بادشاہ مقابلہ کے لئے نہ آیا اور لڑائی نہ ہوئی۔

رسول اکرم صلعم دس روز تک یہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں ایلہ (شام) کا حاکم یوحنا بن روبہ اور شام کے دوسرے شہروں، جربا، اذرح اور مینیا ر کے رؤسا حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر کے اسلام کی پناہ میں آگئے۔ حضور پرنورؐ کی طرف سے ان کو امان کا فرمان لکھ دیا گیا۔

رسول اکرم صلعم نے صحابہ سے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ اگر خدا کا حکم ہے تب تو بے تامل بڑھے چلئے ورنہ آگے جانا مناسب نہیں۔ ہماری ہیبت عیسائی حکمرانوں کے دلوں پر چھا چکی ہے اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اگر خدا کا حکم ہوتا تو میں تم لوگوں سے مشورہ نہ کرتا اور پھر حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرما کر مدینہ کو روانگی کا حکم دیا۔ یہ رسول اکرم صلعم کی زندگی کی آخری لڑائی تھی۔

حج ابوبکرؓ:-

ذی قعدہ ۹ھ میں نبی اکرم صلعم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان حاجیوں کو اسلامی طریقہ کے مطابق حج کرنے کی تعلیم دی اور پھر مقام منیٰ میں عرب کے مشرکین کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان عام پڑھوا کر سنوایا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ ہے

"جن مشرکوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے اس کی میعاد تک اُن کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندی کی جائے گی۔ لیکن جن مشرکوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہے یا معاہدہ تو تھا مگر اُنھوں نے غداری کر کے اُسے توڑ دیا، ان کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خدا اور رسول اُن کی ذمہ داری سے بری ہیں۔

پھر منادی کرا دی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے ارادہ سے نہ آئے اور کوئی ننگا شخص جاہلیت کی رسم کے مطابق خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

دشمن کے ساتھ برتاؤ:-

اسی سال ذی قعدہ کے مہینہ میں عبداللہ ابن اُبی کا انتقال ہوگیا تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ شخص مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا۔ اور ہمیشہ درپردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

مگر رحمتِ عالم صلعم کی رحمت کی شان دیکھو، کہ آپ نے اُس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی اور قبرستان بھی تشریف لے گئے۔ بہت سے منافق آپ کا یہ اخلاق دیکھ کر سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ مگر پھر بعد میں خداوند تعالےٰ نے حضور کو کافروں کی نماز پڑھنے اور اُن کی قبر پر جانے کی ممانعت فرمادی۔[1]

---

[1] نورالیقین ۱۲

تبلیغ کا طریقہ:-

سنہ ۱۰ھ میں رسولِ اکرم صلعم نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا۔ چلتے وقت آپ نے انہیں ہدایت کی کہ دیکھو لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا، سختی نہ برتنا، اُن کا دل لبھانا انہیں نفرت نہ دلانا۔ تم ان لوگوں کے پاس پہنچو گے جو اہل کتاب ہیں تو دیکھو پہلے انھیں "کلمہ" پڑھنے کی دعوت دینا، اگر وہ اسے منظور کر لیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں اُن پر فرض کی ہیں اگر وہ اسے بھی تسلیم کر لیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو امیر آدمیوں سے لے کر غریب آدمیوں کو دی جاتی ہے اگر وہ اسے بھی مان لیں تو زکوٰۃ میں ان کا اچھا مال چھانٹ کر نہ لینا، اور دیکھو مظلوم کی بد دعا سے بچنا۔ کیونکہ جب اس کے دل سے آہ نکلتی ہے تو اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا۔ ؎۱

؎۱ حیاۃ سید العرب ۱۲

حجۃ الوداع

ذی قعدہ ۱۰ھ میں سرکارِ نامدار حج کرنے کے لئے مدینہ منورّہ سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار جاں نثار آپ کے ساتھ تھے۔ یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ چنانچہ اس موقعہ پر آپ نے جو خطبے دیئے انھیں اُمّت کے نام آپ کا آخری پیغام کہا جا سکتا ہے۔

آپ نے خدا کی تعریف کے بعد فرمایا:-

"لوگو! جو کچھ میں کہوں اُسے توجہ سے سُنو، شاید اگلے سال پھر یہ موقع نہ ملے، دیکھو جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام دستور آج میں ملیامیٹ کرتا ہوں زمانۂ جاہلیت کی سود کی رسم اب بند کی جاتی ہے اور پُرانے خون کے حق اب ختم کئے جاتے ہیں۔

لوگو! عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بے بس ہیں، تم نے انھیں اللہ کو ضامن بنا کر حاصل کیا ہے، لہذا ان سے برتاؤ کرتے وقت اللہ سے ڈرنا، اُن کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا، دیکھو غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جو خود کھاؤ

وہی انھیں کھلانا اور جو خود پہنو انھیں پہنانا اور اُن سے کوئی خطا ہو تو اسے معاف کرنا

لوگو! تم سب کا پالنے والا ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ورنہ یوں عرب والے اور عجم والے سب برابر ہیں

دیکھو میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگنا میں دو چیزیں تمہارے لیے چھوڑے جاتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنت جب تک تم انہیں مضبوط پکڑے رہوگے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"

ان کے علاوہ حضورؐ نے اور بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ آخر میں فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا یہ پیغام اُن لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ بیچ بیچ میں صحابہ سے پوچھتے جاتے تھے بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اور جب صحابہ یہ جواب دیتے تھے کہ ہاں یا رسول اللہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تو آپ فرماتے تھے کہ اے اللہ تو گواہ رہ، میں تبلیغ کا حق ادا کر چکا۔

اسی موقع پر سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

وفود کی آمد

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے صلح حدیبیہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبیلوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کا موقع ملا تو عام طور پر اُن میں اسلام قبول کرنے کا میلان پیدا ہو گیا مگر پھر بھی چونکہ قریش اُن کے دینی پیشوا تھے اس لئے وہ اس دین کی طرف اپنا قدم بڑھانے سے پہلے اُن کی پیش قدمی کے منتظر تھے۔

"فتح مکہ" کے بعد جب قریش نے دین اسلام قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبیلے بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ ۹ھ اور ۱۰ھ میں رسول اکرم صلعم کی خدمت میں عرب کے بہت سے قبیلوں کے وفد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ وفد زیادہ تر ۹ھ میں آئے اس لئے اس سال کو عام الوفود (وفدوں کا سال) کہا جاتا ہے۔ ان وفدوں میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ سرکار نامدار کا طریقۂ تعلیم معلوم ہو جائے

وفد ثقیف:-

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد بنی ثقیف کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مسجد نبوی کے قریب اُن کا خیمہ لگوا دیا۔ تاکہ مسلمانوں کی

عبادت کا طریقہ دیکھ سکیں اور قرآن کریم کو سُن سکیں۔ بنی ثقیف نے کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرم صلعم نے عثمانؓ بن ابی العاص کو اُن کا امام مقرر کر دیا۔ یہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام کی تعلیم سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ جتنے دن وفد مدینہ میں رہا اُنھوں نے اتنے ہی دن میں اپنی قوم سے چھپ چھپ کر رسول اکرمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہت سی قرآن کی سورتیں اور دین کے احکام سیکھ لئے تھے

وفد نجران:۔

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جو سُنہری کام کا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے اُنھوں نے حضورؐ کی خدمت میں قیمتی اونی چادریں اور تصویر دار بچھونے تحفہ کے طور پر پیش کئے آپ نے چادریں قبول کر لیں مگر بچھونے واپس فرما دیئے۔ جب اُن کی نماز کا وقت آیا تو مسجد نبوی ہی میں اُنھوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم تو تم سے پہلے مسلمان ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں حائل ہیں۔ صلیب کی عبادت کرنا سور کا گوشت کھانا۔ اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھنا۔

اہل وفد نے کہا۔ عیسیٰؑ کی طرح کوئی بن باپ کے پیدا نہیں ہوا۔

اس لیئے ضرور ان کا باپ خدا ہے۔

اس پر وحی خداوندی کے مطابق آپ نے انھیں جواب دیا کہ خدا نے آدمؑ کو بھی تو بن باپ کے ہی پیدا کیا تھا۔

مگر یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے بلکہ جزیہ دینا منظور کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔

وفد ضمام :-

رسولِ اکرم صلعم ایک دن اپنی مجلس میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ ضمام بن ثعلبہ جو بنی سعد بن بکر کا ایک سردار تھا اپنے اونٹ کو لیئے ہوئے صحن مسجد میں داخل ہوا۔ آتے ہی کہا تم میں عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟ صحابہ نے حضورؐ کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا مجھے آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں اگر سخت معلوم ہوں تو ناراض نہ ہونا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں، تمہارا جو جی چاہے پوچھو۔ چنانچہ اُس نے حضورؐ سے اسلام کی تعلیمات کے متعلق کچھ سوالات کیئے جن کے قابل اطمینان جواب پا کر وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اپنی ساری قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

وفد عبد القیس :-

قبیلۂ عبدالقیس کا وطن بحرین تھا یہ لوگ بڑا لمبا سفر کر کے آئے تھے جونہی مسجد نبوی کے دروازہ پر پہنچے اور حضور پرنورؐ کا چہرۂ مبارک نظر آیا تو بیتابی

کے عالم میں اپنے اپنے کجاووں سے کود کر حضورؐ کے قدم چوم لئے اور بڑے شوق سے اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔ اس قبیلہ میں چونکہ شراب پینے کا بہت رواج تھا اس لئے آپ نے انھیں خاص طور پر شراب پینے سے منع فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے وطن کی آب و ہوا ایسی ہے کہ اگر ہم شراب نہ پئیں تو بیمار ہو جائیں اس لئے تھوڑی سی شراب پینے کی اجازت دیدیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ تھوڑی ہی پھر بہت ہو جائے گی اور مستی کی حالت میں بھائی بھائی کا خون بہانے لگے گا۔

وفد بنی حنیفہ :-

بنی حنیفہ کا وفد بھی سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اسی قبیلہ میں ایک شخص مسیلمہ کذّاب بھی تھا۔ اُس نے کہا میں اس شرط پر مسلمان ہو سکتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرمادیں۔ حضورؐ کے ہاتھ میں اس وقت ایک ٹہنی تھی۔ آپ نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے، تم کو تو میں یہ شاخ بھی نہیں دوں گا۔ غرض مسیلمہ مسلمان نہ ہوا، وہ عزّت کا بھوکا تھا۔ اُس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں ذلّت کے ساتھ مارا گیا۔

وفدِ کندہ :-

وفدِ کندہ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کے سردار اشعث

بن قیس نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپالی اور حضورؐ سے پوچھا بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے؟

حضورؐ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو کاہنوں کا کام ہے، میں کاہن نہیں ہوں میں تو خدا کا نبی ہوں اور اس کا سچا کلام لے کر آیا ہوں، پھر آپ نے انھیں قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے پوچھا، بولو اسلام لاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ۔ آپ نے فرمایا تو پھر ان ریشمین چادروں کو کیوں گلے میں ڈال رکھا ہے؟ وفد والوں نے فوراً اپنی چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمان ہو گئے۔

وفد تجیب :-

قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی لے کر آئے تھے۔ حضورؐ نے ان کی خاطر مدارات کی اور ان کا مال ان کو لوٹا کر کہا اپنے ہی ہاں کے غریبوں کو دے دینا۔ وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم اپنے ہاں کے غریبوں کو دے چکے یہ تو ہم یہیں کے لئے لائے ہیں۔ ان کا یہ اصرار دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ عرب کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ ان جیسا بہتر نہیں آیا حضورؐ نے فرمایا ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کا دل ایمان کے لئے کھولنا چاہتا ہے کھول دیتا ہے۔

ان لوگوں نے شوق قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور جب چلنے لگے

تو آپ نے اُنھیں دوسرے وفدوں سے زیادہ تحفے تحائف دئے۔ ان میں سے ایک لڑکا سامان کی حفاظت کے لئے رہ گیا تھا حضورؐ نے اُسے بھی تحفہ دینے کے لئے بُلایا۔ جب یہ لڑکا آیا تو کہنے لگا یارسول اللہ آپ نے اوروں کی حاجتیں تو پُوری کردیں میری حاجت بھی پُوری کردیجئے۔ آپ نے پوچھا تمہاری حاجت کیا ہے۔ اُس نے کہا یارسول اللہ خدا سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے بخشدے مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔ حضورؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور جو کچھ دوسروں کو دیا تھا وہ بھی عطا فرمایا۔ ؎ا

غرض رسول اکرم صلعم کے پاس عرب کے مختلف قبیلوں کے جو وفد آتے آپ انھیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ اُن کے ساتھ اخلاق اور محبّت کے ساتھ پیش آتے، انھیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کرتے، اور جب وہ واپس جاتے تو انھیں تحفے دیکر رخصت کرتے۔ آپ کے اس برتاؤ سے عرب کے چپّہ چپّہ میں آپؐ کے عمدہ اخلاق کا ڈنکہ بج گیا اور اسلام کی روشنی سے بادشاہوں کے محل اور غریبوں کے جھونپڑے جگمگا اُٹھے۔

؎ا نورالیقین ۱۲

وفات

جب خدا کا پیغام عام ہو گیا اور نبوّت اپنا کام انجام دے چکی تو خدا نے اپنے حبیبؐ کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ رسول اکرم صلعم نے خدا کے اس ارادہ کا اظہار صحابہ کے مجمع میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کی بہار کو پسند کرلے یا خدا کے یہاں جو نعمت ہے اسے تو اس بندہ نے خدا کے ہاں کی نعمت کو پسند کر لیا"

سرکار نامدارؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُنکر حضرت ابوبکر صدیقؓ رونے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ ہمارے ماں باپ آپ پر صدقے یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی اس ذہانت اور محبّت کو دیکھ کر آپ فرمانے لگے اگر میں کسی انسان کو اپنا دوست بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے۔ لیکن پھر بھی ابوبکرؓ میرے بھائی ہیں مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں لیکن ابوبکرؓ کی کھڑکی بند نہ کی جائے۔[1]

رسول اکرم صلعم کے اس حکم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

---

[1] نور الیقین ۱۲

کے متعلق اشارہ موجود ہے۔

بیماری :-

۲۸ صفر ۱۱ھ کو جب کہ حضورؐ کا قیام حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھا آپ کے سر میں درد ہوا جس نے بعد میں بخار کی صورت اختیار کر لی۔ جب مرض بڑھ گیا تو آپ نے دوسری بیویوں سے، بیماری کے زمانہ میں حضرت عائشہؓ کے گھر رہنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے خوشی سے اجازت دیدی اور آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ یہاں آکر بخار تیز ہو گیا اور اس قدر تیز ہوا کہ آپ نے فرمایا میرے بدن پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تاکہ بخار کی تیزی کم ہو۔

جب حضورؐ کو مسجد تشریف لانے میں تکلیف ہونے لگی تو آپ نے فرمایا ابو بکرؓ سے کہو وہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کئی بار عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابو بکرؓ کمزور دل کے ہیں وہ رونے لگیں گے اور ان کی آواز نہ نکل سکے گی۔ یہ خدمت کسی اور کے سپرد کیجئے۔ لیکن حضورؐ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ چنانچہ حضورؐ کی بجائے حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھانے لگے[1]

---

[1] حیاۃ سید العرب ج ۴۔

آخری خطبہ :۔

حضورؐ کی بیماری کے زمانہ میں ایک دن حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عباسؓ کا انصار کی ایک مجلس میں گذر ہوا کیا دیکھتے ہیں کہ سب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا بھائیو! کیوں رو رہے ہو؟ انصار نے جواب دیا ہمیں رسول اللہ صلعم کی مجلس یاد آتی ہے۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ اپنے جاں نثاروں کی اس تکلیف سے بے قرار ہو گئے اور حضرت علیؓ اور فضل بن عباس کے کاندھوں پر سہارا دے کر سر پر پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو جب معلوم ہوا کہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے ہیں تو دیوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے آئے اور پروانوں کی طرح نثار ہونے لگے۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند ٹکڑے یہ ہیں :۔

"لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے ڈر رہے ہو، کیا کوئی نبی اپنی اُمّت کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے جو میں تمہارے ساتھ ہمیشہ رہوں؟ سُن لو کہ اب میں خدا سے ملنے والا ہوں اور کچھ عرصہ بعد تم بھی مجھ سے آملوگے، میں انصار کو مہاجرین سے اچھّا سلوک کرنے کی وصیّت کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آپس میں بھی اچھا برتاؤ کریں اور انصار کے ساتھ بھی اچھّی طرح پیش آئیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے تنگدستی کے باوجود اپنی ضرورتوں پر مہاجرین کی ضرورتوں کو مقدم رکھا۔

یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم سب مجھ سے بعد میں آملو گے، اب تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی، سُن لو جو مجھ سے حوضِ کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غیر مناسب موقعوں پر استعمال نہ کرے۔"

اس تشفی اور نصیحت کے بعد حضورؐ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔ [1]

آخری دیدار:-

سرکارِ نامدارؐ کا مرض روز بروز بڑھتا رہا اور حضرت ابوبکرؓ اس دوران میں حضورؐ کی قائم مقامی فرماتے رہے۔ ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو فجر کے وقت مسجد نبوی میں نماز ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ امامت فرما رہے تھے کہ یکایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹا اور سرکارِ نامدارؐ کا نورانی چہرہ نمودار ہوا۔ آپ نے مسلمانوں کو جماعتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں اپنا مذہبی فرض ادا کرتے دیکھا تو بے اختیار چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ کی لہریں دوڑ گئیں، ادھر صحابہ کی نگاہیں، جو آقا و مولیٰ کے چہرہ پر پڑیں تو دل خوشی کے طوفان سے ڈگمگانے لگے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر حضورؐ کے قدموں کو چوم لیں کہ حضورؐ نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا اور نماز کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر حجرہ میں داخل ہو کر پردہ

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ ۱۲ھ مطابق ۸ جون ۶۳۲ء

کھینچ لیا۔ [1]

وفات :-

اسی دن سہ پہر کو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں اور زبان مبارک پر اَللّٰھُمَّ الرَّفیق الاعلیٰ (اے اللہ اے معزز رفیق) ہے سمجھ گئیں کہ رفیق اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں نبوت کا سورج، اپنی روشنی سے ہزاروں چاند ستاروں کو جگمگاتا چھوڑ کر دنیا کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اناللہ وانا الیہ راجعون حضورؐ کی عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال تین دن اور شمسی حساب سے ۶۱ سال ۸۴ دن کی ہوئی [2]

صحابہ کا ہراس :-

سرکار نامدارؐ کے وصال کی خبر بجلی کی طرح آن کی آن میں ادھر سے اُدھر تک پھیل گئی۔ مگر صحابہ کرام کے دل میں آپ کی محبت اور عظمت اس درجہ تھی کہ وہ کسی طرح حضورؐ کی جُدائی کا تصور دماغ میں لانے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور اُن کا دل اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ موت کا فرشتہ سرورِ عالم صلعم پر بھی قابو پا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ سرکار نامدارؐ کا وصال ہوگیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ [2] نور الیقین ۱۲

صدیق اکبر کی استقامت:۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو خدا تعالےٰ نے سمجھ اور برداشت کا مادہ سب سے زیادہ دیا تھا۔ آپ نے جب یہ حالت دیکھی تو مسجد میں تشریف لائے اور اعلان کیا۔

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور پھر اس کے بعد دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کے ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں (اسلام سے) پھر جاؤ گے اور جو شخص اُلٹے پاؤں پھر جائیگا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ جلد ہی شکر گذاروں کو بدلہ دیگا۔ [۱]

---

[۱] حیاۃ سید العرب ۱۲

دفن :-

حضرت ابو بکرؓ کے اس اعلان کے بعد صحابہ کو کہیں حضورؐ کی وفات کا یقین آیا۔ آپ کو غسل[1] دے کر جنازہ مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حجرہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ ایک ایک کر کے آتے رہے اور نماز ادا کر کے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ چہار شنبہ (بدھ) کی رات تک جاری رہا۔ جب صحابہ اپنے پیارے نبیؐ کا آخری دیدار کر چکے تو انبیائے کرامؑ کے دستور کے مطابق اسی حجرہ میں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ قبر شریف کچی اور ایک بالشت اونچی بنائی گئی۔

۱؎ حضورؐ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا اور حضرت عباس اور اُن کے صاحبزادوں فضل و قثم نے اور اُسامہ و شقران نے جو حضورؐ کے آزاد کئے غلام تھے حضرت علی کا ہاتھ بٹایا۔ اور انہی حضرات نے آپ کو قبر میں اُتارا۔ حضرت بلال نے قبر مبارک پر پانی چھڑکا۔

حلیہ مبارک :-

حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کمالِ باطنی سے مزین تھے اسی طرح جمال ظاہری سے بھی آراستہ تھے۔

آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ وسفید اور چمکیلا تھا، سیاہ نرگسی آنکھیں تھیں جن میں سُرخ ڈورے پڑے تھے، پلکیں باریک اور گھنی تھیں، ناک ستواں تھی۔ پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی گھنی تھی جس سے سینۂ مبارک بھر جاتا تھا۔ سینہ کشادہ تھا، مونڈھے بھاری تھے، سینہ اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک ڈورا تھا۔ سر کے بال کسی قدر خم کھائے ہوئے تھے۔ دانت اولوں کی طرح چمکیلے تھے۔ گردن صراحی دار تھی۔ قد درمیانی تھا۔ پھر بھی کسی کے ساتھ چلتے تو اُس سے کچھ نکلے ہوئے ہی معلوم ہوتے۔ جسم گٹھا ہوا تھا اور گوشت نرم۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ میں نے سُرخ حلہ میں کسی شخص کو رسول اکرم صلعم سے زیادہ خوبصورت نہیں پایا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ جو آپ کو یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپ سے ملتا جلتا آپ کو محبوب بنا لیتا، جو آپ کا وصف بیان کرتا اسے کہنا پڑتا کہ "آپ جیسا نہ کوئی آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد" یہی وجہ تھی کہ بہت سے

کافر آپ کا چہرۂ زیبا دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کہہ اُٹھتے تھے کہ "جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہو سکتی"۔ ؎۱

اُمت کی مائیں:-

سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی ضرورتوں کی وجہ سے عرب کے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کئی شادیاں کیں آپ کی محترم بیویوں کے (جو آپ کی اُمت کی مائیں ہیں) نام یہ ہیں۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ حضرت عائشہ بنت ابی بکر۔ حضرت حفصہ بنت عمر۔ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ حضرت ام سلمہ بنت سہیل۔ حضرت زینب بنت جحش۔ حضرت جویریہ بنت حارث، حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان، حضرت صفیہ بنت حیی۔ حضرت میمونہ بنت الحارث۔

ان محترم بیویوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپ کے نکاح میں آئیں، اس وقت اُن کی عمر چالیس کی اور حضور کی پچیس سال کی تھی جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی پچیس سال کی رفاقت کے بعد جب اُن کا انتقال ہو گیا تو آپ نے دوسری شادیاں کیں۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچاس سال کی ہو چکی تھی۔

حضورؐ کی وفات کے وقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ

؎۱ نور الیقین بحوالہ شفاء قاضی عیاض

کے علاوہ باقی سب "امت کی مائیں" موجود تھیں۔ ان ماؤں سے اُمت کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوئیں۔ خاصکر حضرت عائشہ رضؓ بنت ابی بکر صدیق کی بیان کی ہوئی حدیثوں سے تو کتب حدیث کے خزانے لبریز ہیں۔

اولاد مبارک:۔

سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ اُن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) حضرت قاسمؓ (۲) حضرت عبداللہ رضؓ (۳) حضرت ابراہیم رضؓ۔ (۴) حضرت زینبؓ (۵) حضرت رقیہؓ۔ (۶) حضرت فاطمہ رضؓ۔ (۷) حضرت اُم کلثوم رضؓ۔

سوائے حضرت ابراہیم کے، حضورؐ کی یہ تمام اولاد، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حضرت ابراہیمؓ حضرت ماریہ رضؓ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہؓ کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضور کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا اور یہ حضور کی "ام ولد" بن گئی تھیں۔

حضورؐ کے تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے البتہ سب صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور پروان چڑھیں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح اُن کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع سے ہوا جو ہجرت کے بعد مدینہ آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر کی زینت بنیں اور حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے

حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں۔ مگر حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی سے اولاد کا سلسلہ نہ چلا۔ حضرت فاطمہؓ کے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دو صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور اُم کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ گلشن نبوت کے دونوں نونہالوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) سے بہت سے گل بوٹے کھلے اور سرکار نامدار کی جسمانی اولاد کا سلسلہ پھیلا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ۔ وحیاھم باطیب التحیات ورفع المھاجرین والانصار فی ارفع الدرجات۔

اخلاق و عادات سرورِ کائنات[1]

آپ اپنی تعلیم کا خود مکمّل عملی نمونہ تھے۔ مجمع عام میں جو کچھ فرماتے گھر کی تنہائی میں بھی اُسی رنگ میں نظر آتے، اخلاق و عمل اور طہارت و پاکیزگی کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اُس کا عملی نمونہ بن جاتے انسان کی حالت کا بیوی سے زیادہ کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضرت کے اخلاق کیسے تھے۔ انھوں نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، جو کچھ قرآن میں ہے وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے، یعنی آپ کی ساری زندگی قرآنِ پاک کی عملی تفسیر تھی۔ اور آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ خود قرآن نے اس کی گواہی دی اور اعلان کیا انّک لعلیٰ خلق عظیم۔ یعنی اے حضور آپ بے شبہ حسن اخلاق کے بڑے مرتبے پر فائز ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت میں رہی تھیں نبوت کے شروع دنوں میں آپ کو ان لفظوں سے تسلی دیتی تھیں۔ "خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، کیونکہ آپ صلۂ رحم کرتے ہیں، عزیزوں، رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے سہاروں اور غریبوں

---

[1] از عتیق الرحمٰن عثمانی

کی امداد کرتے ہیں، مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو شروع نبوّت سے آخر عمر تک کم و بیش ۲۳ سال خدمت اقدس میں رہے تھے اُن سے ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا "آپ نرم خو، خندہ جبین، مہربان، رحمدل تھے، سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، کوئی بُرا کلمہ زبان سے کبھی نہ نکالتے تھے، عیب جو نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اُس سے چشم پوشی فرماتے تھے، اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اُس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین چیزوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے، کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ اور تلاش میں نہیں رہتے تھے، کسی کے عیب نہیں نکالتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا۔ کوئی باہر کا بے پڑھا لکھا آدمی اگر بیباکی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے اور برداشت سے کام لیتے۔ دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اُس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت سچے، نہایت شیریں مزاج اور نہایت خوش صحبت تھے اگر کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا،

آپ سے محبّت کرنے لگتا اور بے تکلّف ہو جاتا تھا۔

جہاں تک ہو سکتا سب کی درخواست پوری کرتے، تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" نہیں کہا، خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے، ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، اُن کے پاس ولیمہ کا کچھ سامان نہ تھا حضورؐ نے اُن سے فرمایا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالانکہ گھر میں اس آٹے کے علاوہ شام کے لئے کچھ بھی نہیں تھا، دنیا سے بے تعلقی اور فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ گھر میں نقد کی صورت میں جو کچھ ہوتا جب تک وہ سب خیرات نہ کر دیا جاتا، اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے، ایک بار فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلّہ بھیجا اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی کچھ بچ رہا، آپ نے فرمایا کہ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا، رات مسجد میں گذاری، دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ بچا ہوا غلّہ تقسیم ہو چکا ہے تو گھر تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ نوّے ہزار درہم خدمت مبارک میں پیش کئے گئے جو ایک چٹائی پر آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ آپ ان کو تقسیم فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک ایک درہم بانٹ ڈالا اور کسی ایک سائل کو بھی واپس نہیں فرمایا۔[1]

حضورؐ کی مہمان نوازی کا عام شُہرہ تھا، آپ کے یہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب ہی مہمان ہوتے، آپ سب کی مدارات کرتے اور بنفس نفیس

---

[1] عیون الاثر ابن سید الناس ج ۲ صفحہ ۳۳

سب کی خدمت کرتے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمان آگئے اور گھر میں جو کچھ موجود ہے وہ اُن کو کھلا دیا گیا اور پورے گھر نے فاقہ کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے یہاں ایک غیر مسلم مہمان ہوا، آپ نے اُسے ایک بکری کا دودھ دیا وہ پورا دودھ پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگائی یہ اُس کا بھی دودھ پی گیا' یہاں تک کہ سات بکریوں تک یہی صورت رہی۔ جب تک اُس کا پیٹ نہیں بھر گیا آپ برابر دودھ پلاتے رہے۔

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اگرچہ آپ کے بے شمار جاں نثار خادم موجود تھے، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا آپ گھر میں کیا کرتے تھے جواب دیا کہ گھر کے کاموں میں لگے رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، خود ہی بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت انسؓ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ دونوں جہان کا سردار اپنے دستِ مبارک سے اونٹ کے بدن پر تیل مل رہا ہے۔

مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے، مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ نے بھی کام کیا۔

آپ کی نگاہ میں امیر و غریب، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمانؔ و صہیبؔ اور بلالؔ کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپ کی بارگاہ میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں سے کم مرتبہ نہ تھے۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت اسامہؓ جن کو آپ بہت چاہتے تھے لوگوں نے اس عورت کے متعلق ان سے سفارش کرائی۔ آپ نے فرمایا کہ تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے مجمع سے فرمایا "کہ تم سے پہلے کی قومیں اس لیئے برباد ہوئیں کہ اُن کا طریقہ یہ ہو گیا تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور معمولی اور کم درجہ کا آدمی مجرم ہوتا تو سزا پاتا خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے ہاتھ بھی کاٹے جاتے"!

غزوہ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا جا رہا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ عباس آپ سے قرابت رکھتے ہیں گذارش کی کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباس) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے پورے دس برس خدمتِ اقدس میں گذارے مگر اتنی لمبی مدت میں آپ نے مجھے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا۔ اور یہ کیوں نہیں کیا۔ آپ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا!

بھی حضرت انس رض دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آ پہنچے لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے لیکن سب سے پہلے جو شخص آگے بڑھ کر نکلا وہ خود حضور صلعم تھے۔ آپ نے اس کا بھی انتظار نہیں فرمایا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تمام خطروں کے موقعوں کا چکر لگایا اور واپس تشریف لاکر لوگوں کو تسکین دی کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں "!

اس کے باوجود تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے انتقام اور بدلہ لیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حارث کے بیٹے غورث نے ایک موقع پر حضور پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا۔ تلوار سوت کر کہنے لگا محمد! بتاؤ اب تم کو میری گرفت سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ نے پُر رعب لہجے میں بے جھجک فرمایا "اللہ" نبوت کی پُر جلال آواز کا غورث پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے اور تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ حضور نے وہ تلوار اُٹھا کر فرمایا غورث! بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ غورث نے جواب دیا "کوئی نہیں، آپ ہی چاہیں تو بچا سکتے ہیں"۔ حضور نے اس کو معافی دے دی۔ رحمت عالم کے اس عفو و درگذر کا یہ اثر ہوا کہ اُس نے اُسی وقت کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا اور اپنی قوم سے جاکر کہا میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر ہے چنانچہ اس کی قوم بھی مسلمان ہو گئی۔

اُحد کے میدان میں جب آپ پر ہر طرف سے پتھروں، تیروں، تلواروں اور

نیزوں کی بارش ہو رہی تھی آپ اپنی جگہ پر اُسی طرح کھڑے رہے، حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ عام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لڑائی کے اکثر معرکوں میں وہاں ہوتے تھے جہاں کھڑا ہونا بڑے بہادر اپنی بہادری کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے مگر ایسے خوفناک مقامات میں بھی آپ دشمن پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ اُحد میں جب سر مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوا یہی فرماتے رہے "خدایا! انہیں معاف کر اور سیدھا راستہ دکھا کہ یہ جانتے نہیں" سالہا سال تک بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد بھی مایوسی کا آپ کے آس پاس گذر نہیں ہوا، مکہ میں جو مصیبتیں آپ کے جاں نثار ساتھی جھیل رہے تھے اُن سے گھبرا کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہم لوگوں کے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے، حضورؐ کا چہرۂ انور یہ سُن کر سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے بندگان خدا بھی گذرے ہیں جن کو آروں سے چیرا گیا جن کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں لیکن یہ ایذائیں بھی اُن کو حق سے اور سچائی کے راستے سے پھیر نہ سکیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے کمال کی انتہا کو پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے حضرموت ایک سوار اس طرح بے کھٹکے چلا جائیگا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا" یہی ہوا اور آپ کے اقتدار کا پرچم سارے عرب پر لہرانے لگا۔ آپ کے مہربان چچا ابو طالب جنھوں نے آپ کے لئے اور آپ کی محبت کے لئے تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا تھا، جنھوں نے آپ کی خاطر فاقے اٹھائے تھے اور رنگ رنگ کی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی تھیں، قریش

کے نہ ختم ہونے والے ظلموں سے تنگ آکر انھوں نے ایک دفعہ حضورؐ سے ہلکے اور مختصر لفظوں میں کہا جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اُٹھا نہ سکوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پشت وپناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے آپ نے یہ دیکھ کر کہ اب جان چھڑکنے والے چچا کے پاؤں بھی لغزش کرنے لگے، آبدیدہ ہو کر فرمایا، چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند رکھ دیں تب بھی اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اُس پر قربان ہو جاؤں گا۔

آپ لین دین کے معاملوں میں آئینے سے بھی زیادہ صاف تھے فرماتے تھے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں۔ ایک بار آپ نے کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اُس سے بہتر واپس کیا۔ ایک دفعہ کسی سے پیالہ بطور عاریت لیا اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔ آپ نے اُس کا تاوان ادا فرمایا، ایسے ہی ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں، چند دنوں کے بعد وہ شخص تقاضے کو آیا، آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اُس کا قرض ادا کر دیں، انصاری نے جو کھجوریں دیں وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اُس شخص نے دی تھیں چنانچہ اُس نے لینے سے انکار کر دیا، اس پر انصاری نے کہا تم رسول اللہؐ کی دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا ہاں، اللہ کا رسول بھی انصاف نہیں کرے گا تو پھر کس سے توقع کی جائے۔ حضورؐ نے یہ باتیں سُنیں تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔

ایفائے عہد اور وعدے کا پاس آپ کی ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اُس کے ماننے پر مجبور تھے۔ شہنشاہِ روم نے حضورؐ کی سچائی اور صداقت کو جانچنے کے لئے ابوسفیان سے جو بہت سے سوال کئے تھے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ "کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی کی ہے"؟ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں

صفوان بن امیہ اسلام لانے سے پہلے دینِ حق کے بڑے سخت دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدّہ چلے گئے ایک صحابی نے حاضرِ خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا حضورؐ نے اپنا عمامہ مبارک مرحمت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ صفوان کے امان کی نشانی ہے۔ یہ صحابی عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے امان ہے، صفوان جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، کیا آپ نے مجھے امان دی ہے۔ فرمایا ہاں۔

صلح حدیبیہ کی بہت سی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ مکہ والوں کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے گا۔ ٹھیک اس وقت کہ معاہدہ کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ابوجندلؓ پابزنجیر مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر آئے اور حضورؐ سے فریاد کی، تمام مسلمان یہ منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے لیکن آپ نے صاف فرما دیا، ابوجندل! صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالےٰ جلد تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔

غیر مسلموں کے ساتھ آپ کے حسنِ خُلق اور اچھے برتاؤ کے بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اسی صلح حدیبیہ کے

زماتے ہیں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں مدینہ میں اُن کے پاس آئیں، اسمار کو خیال ہوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا، آپ نے فرمایا اُن کے ساتھ نیکی کرو۔ ابو بصرہ غفاری کہتے ہیں کہ وہ اسلام لانے سے پہلے مدینہ میں حضورؐ کے مہمان ہوئے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ نے کچھ نہیں فرمایا اور میری اس حرکت کی وجہ سے تمام گھر بھوکا رہا۔

دنیا سے کامل بے رغبتی کے باوجود آپ خشک مزاج نہیں تھے اور آپ کو روکھا پن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دلچسپی اور تفریح کی باتیں فرماتے، ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے" ان لفظوں میں حضرت انسؓ کی اطاعت شعاری کی طرف بھی خاص اشارہ تھا کیونکہ وہ ہر وقت حضورؐ کے ارشادات پر کان لگائے رکھتے تھے۔

انہی حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے جو بہت کم عمر تھے ایک ممولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا، ابو عمیر کو اس کی موت کا بہت رنج ہوا آپ نے بچّہ کو غمزدہ دیکھ کر محبّت کے پیارے انداز میں فرمایا ابو عُمیر! تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک بار ایک بڑھیا خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضورؐ میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنّت میں نہ جائیں گی، یہ سُنکر اُسے بہت ملال ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی آپ نے حاضرین سے فرمایا اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی

لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

آپ کی احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں، بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب کرتے، سامنے اس لئے کھڑے نہ ہوتے کہ کہیں نظر گھر کے اندر نہ پڑ جائے۔

بیماروں کی عیادت (مزاج پرسی) میں دوست، دشمن، مومن، کافر، مسلم، غیر مسلم کسی کی خصوصیت نہیں تھی، صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپ اس کو پوچھنے تشریف لے گئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضورؐ بیمار کی مزاج پرسی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مرگیا تو لوگوں نے آپ کو اس کی خبر نہ کی، ایک روز آپ نے ازخود اس کا حال دریافت فرمایا۔ حاضرین نے کہا وہ تو گذر گیا، فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی، لوگوں نے کچھ اس طرح سے جواب دیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مرنے والا اس قابل نہیں تھا کہ حضورؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی، آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت فرمائی اور وہاں جا کر جنازے کی نماز پڑھی۔

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے اُن میں سے کسی کسی کو سواری پر اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھاتے، راستے میں بچے مل جاتے تو اُن کو خود سلام کرتے۔

خالد بن سعید کی چھوٹی بچی حضورؐ کی پشت مبارک پر جو مہر نبوّت ابھری ہوئی تھی اس سے کھیلنے لگی۔ خالد نے اپنی بچی کو ڈانٹا حضورؐ نے روکا اور فرمایا کہ کھیلنے دو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ فرماتے تھے کہ میں نماز اس ارادے سے شروع کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں گا، دفعتاً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی یہ محبت و شفقت مسلمان بچوں تک ہی نہ تھی۔ مشرکوں کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف و کرم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آکر مارے گئے آپ کو اطلاع ہوئی تو بہت آزردہ ہوئے۔ ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ وہ تو مشرکین کے بچے تھے حضورؐ نے فرمایا۔ مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں خبردار بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار بچوں کو قتل نہ کرو ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

صفائی، ستھرائی کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا تم کو کچھ مقدور ہے کہنے لگا جی ہاں، ارشاد ہوا خدا نے نعمت دی ہے تو صورت اور ظاہری رنگ ڈھنگ سے بھی اُس کا اظہار ہونا چاہیئے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالوں کو درست کرلے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کا یہ بیان جو تم نے ابھی پڑھا ہے اگرچہ آپ کے اخلاقی کمالات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا سا بیان ہے پھر بھی اس کتاب کی حیثیت اور اس کے مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے کچھ بڑھ گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بچوں اور بچیوں اور اس کتاب کے تمام پڑھنے والوں کو دونوں جہاں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور نکھری ہوئی خصلتوں اور بلند اخلاق کے مطالعہ کا اچھی طرح موقع مل جائے اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبّت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اُس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اُٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو امت کے لئے راتوں کو روتا تھا

سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایا
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سورج پلٹ آیا
سلام اُس پر کہ جس نے زمانے کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اُس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو
سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا

سلام اُس پر سرِ شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اُس پر بھلا سکتے نہیں جس کا کبھی احساں
سلام اُس پر مسلمانوں کو دی تلوار اور قرآں
سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی
اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوج دارائی
سلام اُس پر جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سُنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے
درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے خلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اُس پر تبسم جس کا گل کے مسکرانے میں

درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عینِ عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے
درود اُس پر کہ جو تھا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضرا جسے کہئے
درود اُس پر شبِ معراج کا دُلہا جسے کہئے
درود اُس پر جسے شمع شبستانِ ازل کہئے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہئے
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہئے
رسولِ مجتبیٰ کہئے محمد مصطفیٰ کہئے
وہ جس کو ہادیٔ "دع ما کدر، خذ ما صفا" کہئے
درود اُس پر کہ جو ماھسا کی اُمیدوں کا ملجا ہے
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سیّدِنا و مولانا محمّدٍ و علیٰ آلِ سیّدِنا و مولانا محمّدٍ و اصحاب سیّدِنا و مولانا محمّدٍ وَ بارِک وَسلِّم

جدول واقعات مشہورہ سیرۃ نبوی

(ماخوذ از محمد رسول اللہ مطبوعہ مصر)

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
	۵۴۵	ولادت حضرت عبداللہ والد ماجد رسول اکرم صلعم
	۵۷۰	واقعۂ فیل
	۱۰ اگست ۵۷۰ء	ولادت سرکار نامدار صلعم
	سنہ ۵۷۳	ولادت حضرت ابوبکر صدیق رضہ
	سنہ ۵۷۶،۷۵	وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ رسول اکرم صلعم
	سنہ ۵۷۸	وفات حضرت عبدالمطلب
	سنہ ۵۸۱	ولادت حضرت عمر رضہ
	سنہ ۵۸۲	ملک شام کا پہلا سفر
	سنہ ۵۹۰-۸۰	حرب فجار
	سنہ ۵۹۵	ملک شام کا دوسرا سفر
	سنہ ۵۹۵	حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
	۶۰۰-۶۰۱ء	ولادت حضرت علی
	۶۰۵ء	تجدید بناء کعبہ
	۶۱۰ء	آغازِ وحی
	۶۱۳-۱۴ء	ولادت حضرت عائشہؓ
	۶۱۵ء	ہجرتِ حبشہ
	۶۱۷ء	مقاطعہ قریش
	۶۲۰ء	وفات ابوطالب
	۶۲۰ء	وفاتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ
	۶۲۱ء	اسراء و معراج
	۶۲۱ء	بیعت عقبۂ اولیٰ
	جون ۶۲۲ء	ہجرتِ مدینہ
ہجرت کے آٹھویں مہینے	۶۲۳ء	سریۃ عبیدۃ بن الحارث
" بارہویں "	جون ۶۲۳ء	غزوۂ ابواء
" تیرھویں "	جولائی ۶۲۳ء	غزوۂ بواط
" سولھویں "	اکتوبر ۶۲۳ء	غزوۂ عشیرہ
" سترھویں "	نومبر ۶۲۳ء	سریۂ عبداللہ بن جحش
" انیسویں "	جنوری ۶۲۴ء	غزوۂ بدر کبریٰ
شوال ۲ھ	فروری ۶۲۴ء	غزوۂ بنی قینقاع

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
ذی حجہ ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء	غزوۂ سویق
جمادی الآخر ۳ھ	ستمبر ۶۲۴ء	سریہ زید بن حارثہ
شوال ۳ھ	جنوری ۶۲۵ء	غزوۂ اُحد
صفر ۴ھ	مئی ۶۲۵ء	واقعہ رجیع
	"	سریہ بیرِ معونہ
ربیع الاول ۴ھ	جون ۶۲۵ء	غزوۂ بنی نضیر
" ۵ھ	جولائی ۶۲۶ء	غزوہ دومۃ الجندل
شعبان ۵ھ	دسمبر ۶۲۶ء	غزوہ بنی المصطلق
شوال ۵ھ	فروری ۶۲۷ء	غزوہ خندق
ذی قعدہ ۵ھ	اپریل ۶۲۷ء	غزوۂ بنی قریظہ
ربیع الاول ۶ھ	جون و جولائی ۶۲۷ء	غزوۂ بنی لحیان
"	جولائی ۶۲۷ء	غزوۂ ذی قرد
ربیع الثانی ۶ھ	اگست ۶۲۷ء	سریہ الغمر
جمادی الاولیٰ ۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء	سریہ زید بن حارثہ جانب عیص
جمادی الآخرہ ۶ھ	اکتوبر ۶۲۷ء	سریہ دوم زید بن حارثہ جانب حسمی
رمضان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء	سریہ عبداللہ بن عتیک
شوال ۶ھ	جنوری ۶۲۸ء	سریہ عبداللہ بن رواحہ
ذی قعدہ ۶ھ	فروری ۶۲۸ء	صلح حدیبیہ

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
۷ھ	مئی ۶۲۸ء	شاہان روم و ایران کو دعوت اسلام
جمادی الاولیٰ ۷ھ	اگست ۶۲۸ء	رسول اکرم صلعم کا عقد حضرت اُم حبیبہ رضؓ سے
محرم ۷ھ	"	غزوۂ خیبر
ذی قعدہ ۷ھ	فروری ۶۲۹ء	عمرۂ قضا
جمادی الاولیٰ ۸ھ	ستمبر ۶۲۹ء	سریۂ مؤتہ
جمادی الآخر ۸ھ	اکتوبر ۶۲۹ء	سریۂ ذات السلاسل
رجب ۸ھ	نومبر ۶۲۹ء	سریۂ الخبط
شعبان ۸ھ	دسمبر ۶۲۹ء	سریۂ ابی قتادہ
رمضان ۸ھ	جنوری ۶۳۰ء	فتح مکہ
۱۰ شوال ۸ھ	فروری ۶۳۰ء	غزوۂ حنین
شوال ۸ھ	"	غزوۂ طائف
ذی حجہ ۸ھ	اپریل ۶۳۰ء	ولادت حضرت ابراہیم
محرم ۹ھ	"	سریۂ عیینہ بن حصین
ربیع الآخر ۹ھ	جولائی ۶۳۰ء	سریۂ علقمہ بن مجزز
"	"	سریۂ علی بن ابی طالبؓ (جانب فلس)
رجب ۹ھ	اکتوبر ۶۳۰ء	غزوۂ تبوک
ذی الحجہ ۹ھ	مارچ ۶۳۱ء	حج ابوبکر صدیقؓ
ربیع الاول ۱۰ھ	جون ۶۳۱ء	سریۂ خالد بن ولیدؓ

واقعہ	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری
وفات حضرت ابراہیمؓ	جون سنہ ۶۳۱ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۰ھ
روانگی حضرت علیؓ جانبِ یمن	دسمبر سنہ ۶۳۱ء	رمضان سنہ ۱۰ھ
حجۃ الوداع	مارچ سنہ ۶۳۲ء	ذی حجہ سنہ ۱۰ھ
تیاری جیشِ حضرت اُسامہ برائے روانگی شام	مئی سنہ ۶۳۲ء	صفر سنہ ۱۱ھ
وفاتِ سرکارِ نامدار صلعم	۹ جون سنہ ۶۳۲ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ

"خلافت راشدہ"

تاریخ ملت کا دوسرا حصہ جس میں عہدِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات مستند قدیم و جدید عربی تاریخوں کی بنیاد پر صحت و جامعیت کے ساتھ بیان گئے ہیں اور انہیں بے کم وکاست مورخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے صحابہ کرامؓ کے ان ایمان پرور اور جرأت آفریں کارناموں کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے جو تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہیں اور جنہیں پڑھ کر آج بھی فرزندانِ قوم کے مُردہ و افسردہ دلوں میں زندگی و حرارتِ ایمانی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں، نونہالانِ ملت کے دماغوں کی اسلامی اصول پر تربیت کے لئے یہ کتاب بہترین ہے۔ کتاب کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید طرز کو ملحوظ رکھا گیا ہے، زبان شستہ و رفتہ استعمال کی گئی ہے اور طرزِ بیان دلچسپ و دلنشین اختیار کیا گیا ہے، واقعات کے بیان کے ساتھ اسباب و علل اور اُن کے اثرات و نتائج سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔

یہ کتاب کالجوں اور اسکولوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق ہے کتاب کی ترتیب کے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی معتبر سلیس اور جامع کتاب کی اشاعت کے بعد بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ "خلافت راشدہ" کے رنگ کی کوئی کتاب ہمارے لٹریچر میں موجود نہیں تھی۔ صفحات ۳۷۶۔ قیمت غیر مجلد تین روپے آٹھ آنے۔ قیمت مجلد ۱۲؍ ۳